حواشی

۱۔ فتح الباری ۱/۲۰۴

۲۔ سنن الدارمی ۱/۱۳۶، تقیید العلم ص ۱۰۵۔

۳۔ جامع بیان العلم وفضلہ ۱/۷۶۔

۴۔ دراسات عن السیرۃ النبویہ ص ۸۲، منقول از: تہذیب التہذیب ۱/۹۷، الطبقات الکبری ۵/۱۵۱، ۵/۱۷۹۔

۵۔ دراسات فی السیرۃ النبویہ ص ۸۳۔ منقول از: وفیات الاعیان ۲/۴۲۰، الطبقات الکبری ۵/۱۷۹، خلاصۃ تہذیب الکمال ص ۲۶۵۔

۶۔ دراسات فی السیرۃ النبویہ ص ۸۴۔ منقول از: تذکرۃ الحفاظ ۱/۱۰۰، الطبقات الکبری ۵/۵۴۲۔

۷۔ مجلۃ کلیۃ العلوم الاجتماعیۃ۔ جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیۃ۔ الریاض العدد الخامس: ۱۴۰۱ھ۔

۸۔ تہذیب التہذیب ۹/۴۴۹۔

۹۔ دراسات فی السیرۃ النبویہ ص ۸۵، منقول از، جامع بیان العلم ص ۳۷، السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی ص ۳۹۴۔

۱۰۔ دراسات فی السیرۃ النبویہ ص ۸۶ منقول از: الفہرست لابن الندیم ص۲۲۶، مختصر جامع بیان العلم ص۱۳۸۔

۱۱۔ ابن اسحاق کے بارے میں دیکھئے: وفیات الاعیان ۳/۴۰۶، میزان الاعتدال ۱/۱۱۱ و ۳/۴۶۸۔ ۴۷۵۔ تہذیب التہذیب ۹/۳۸، الطبقات الکبری ۷/۲/۶۷ تذکرۃ الحفاظ ۱/۱۷۲، تاریخ بغداد ۱/۲۱۸۔

۱۲۔ سیرت ابن ہشام ۱/۲۹۔

۱۳۔ سیرت کی تمام کتابوں کے بارے میں معلومات کا ماخذ۔ معجم ما الف عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم از صلاح الدین المنجد۔

مراجع ومصادر

۱۔ ابن حجر العسقلانی۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری۔ نشر وتوزیع رئاسۃ البحوث العلمیۃ۔ الریاض۔

۲۔ ابن حجر العسقلانی۔ تہذیب التہذیب۔ مطبوعہ حیدر آباد دکن۔

۳۔ محمد سرور بن نائف زین العابدین دراسات فی السیرۃ النبویہ۔ دارالارقم۔ برمنگھم۔ ۱۹۸۶ء

۴۔ ڈاکٹر صلاح الدین المنجد۔ معجم ما الف عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دارالکتاب العربی۔ بیروت ۱۹۸۲ء۔

اردو زبان میں چند اہم کتب سیرت

ڈاکٹر محمد میاں صدیقی

آج پندرھویں صدی ہجری کے ربع اول میں یہ دعویٰ کرنا ہرگز کسی مبالغے پر مبنی نہیں ہے کہ دنیا کی تمام زندہ اور علمی زبانوں میں نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر مجمل، متوسط اور مفصل ضخامت کی اتنی کتابیں لکھی جا چکی ہیں کہ ان کا حصروشمار ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ بیسویں صدی عیسوی کی ابتداء میں جب آکسفورڈ یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر مارگولیتھ (Margoliouth) نے "محمدؐ اور ظہور اسلام" کے نام سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات پر انگریزی زبان میں ایک کتاب لکھی تو اس کی ابتداء ان الفاظ سے کی:۔

"The biographers of the Prophet Mohammad form

a long series which it is impossible to end but

in which it would be honourable to find a place." (1)

(حضرت محمدؐ کے سیرت نگاروں کا ایک طویل سلسلہ ہے، جس کو ختم کرنا ممکن نہیں ہے۔ لیکن ان میں جگہ پانا شرف کا باعث ہے۔)

تصنیف وتالیف کا یہ سلسلہ جس کی طرف مارگولیتھ نے اشارہ کیا، تسلسل کے ساتھ جاری ہے اور امت مسلمہ کے عقیدے کے مطابق اس وقت تک جاری رہے گا جب تک یہ بزم آب گل سجی ہے، اور اس میں زندگی کی معمولی سی رمق بھی باقی ہے۔

غیرمسلموں کا سیرت نبویؐ کے ساتھ اعتناء اور شغف اس وجہ سے ہے کہ وہ اس عظیم اور جلیل القدر داعی دین کے حالات زندگی معلوم کرنا چاہتے ہیں، اور ان اسباب وعلل کی تہہ تک پہنچنا چاہتے ہیں جن کی بدولت اس عظیم ہستی نے صرف تیئس برس کے عرصے میں ایک حیرت انگیز انقلاب بپا کر دیا، اور ایسے افراد تیار کر دیئے جنہوں نے اس کے اس دنیا سے گزر جانے کے بعد بڑی بڑی قوتوں اور مضبوط حکومتوں کو زیر و زبر کرکے رکھ دیا اور اپنے پیچھے ایک ایسی امت

چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہوا جس نے اپنے شاندار کارناموں سے جریدہ عالم پر اپنے ان مٹ نقوش ہمیشہ کے لئے ثبت کر دیئے۔

مسلمانوں کے لئے سیرت نبویؐ کا مطالعہ اور اس میں انہماک اس لئے ضروری ہے کہ انہیں اس کو اپنانے کا حکم ہے' سیرت رسولؐ کی پیروی ان کی اہم دینی ضرورت ہے۔ ان کے سامنے قرآن حکیم کا واضح ارشاد ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (۲) (مومنو اللہ کے رسول کی ذات میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے)۔ اس لئے مسلمانوں کے لئے ضروری ہوا کہ وہ اس بات کی کھوج لگائیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقائد' نظریات اور اعمال وافعال کا وہ کونسا نمونہ پیش کیا ہے' جسے قرآن بہترین اور مثالی نمونہ کہہ رہا ہے اور جس کی بے دلیل پیروی کا حکم دیا جا رہا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ابتدائے نبوت ہی سے ان کے اصحاب کی غیر معمولی توجہ کا مرکز بن گئی تھی۔ آپؐ کی حیات طیبہ ہی میں یہ دستور شروع ہوگیا تھا کہ جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے ملتا تو وہ اس سے آپؐ کے حالات دریافت کرتا' اور وہ اس کے جواب میں کسی تازہ وحی' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی تازہ فرمان کا ذکر کرتا۔ آپؐ کے وصال کے بعد جوں جوں زمانہ گزرتا گیا' آپؐ کے پیرووں کے دل میں آپؐ کی ذات مبارک' اخلاق وعادات اور تعلیمات کے جاننے کا شوق بڑھتا گیا۔ اس شوق وطلب کے باعث روایات کا ایک وسیع ذخیرہ پیدا ہوگیا' جو ابتداء میں سینہ بسینہ منتقل ہوتا رہا اور پھر جب دوسری صدی ہجری کے اوائل میں مسلمانوں کے ہاں تصنیف وتالیف کا سلسلہ شروع ہوا تو ان کے اہل علم نے ان روایات کو قلم بند کرنا' اور ان کو موضوعاتی ترتیب سے مرتب کرنا شروع کیا۔ جن روایات کا تعلق عقائد وعبادات سے تھا' اور جن سے فقہی احکام مستنبط ہوسکتے تھے' ان سے علم حدیث کی کتابیں مدون ہوئیں' اور جن روایات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی مذکور تھے ان سے سیرت کا سرمایہ تیار ہوا اور جن روایات میں عہد نبویؐ کے غزوات و سرایا (جنگیں) کی تفصیل تھی وہ فن مغازی کا موضوع قرار پائیں۔

عہد صحابہؓ میں صرف قرآن حکیم کی جمع وتدوین اور کتابت کا اہتمام ہوسکا' داعی اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جو روایات منقول تھیں انہیں باضابطہ ورطہ تحریر میں نہیں لایا گیا تھا۔

اس خوف سے کہ قرآن حکیم کے متن کے ساتھ خلط ملط نہ ہوجائیں۔ ۹۹ ہجری میں جب حضرت عمر بن عبدالعزیز مسند خلافت پر بیٹھے تو انہوں نے باضابطہ اور باقاعدہ احادیث کی کتابت اور جمع وتدوین کا حکم دیا۔ ان کی مدت خلافت صرف اڑھائی سال ہے۔ اس مختصر عرصے میں روایات کی کتابت اور جمع وتدوین کا کام مکمل نہ ہوسکا۔ لیکن ان کی تحریک سے مختلف علمی مراکز میں روایات کو ضبط تحریر میں لانے کا جو کام شروع ہوگیا تھا' اہل علم وفضل نے اسے بعد کے دور میں پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

خلفائے بنی امیہ نے اپنے دور حکومت میں علماء سے کتابیں لکھوائیں۔ ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں امام زہری کا قول نقل کیا ہے:

"ہم لوگ علم قلم بند کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بنو امیہ کے خلفاء اور امراء نے ہمیں مجبور کیا کہ ہم ان علوم کو ورطہ تحریر میں لائیں جو ہم تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچے ہیں" (۳)

سب سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبید بن شریہ کو یمن سے بلا کر قدماء کی تاریخ مرتب کرائی' جس کا نام اخبار الماضیین رکھا۔ (۴)

سیرت نبویؐ کا سب سے اہم' اولین اور بنیادی ماخذ قرآن حکیم ہے' اس کے مطالعہ سے کہیں اجمالاً اور کہیں قدرے تفصیلی طور پر سیرت نبویؐ کے مختلف گوشوں پر روشنی پڑتی ہے۔ نبوت و رسالت سے پہلے اور بعد میں آپؐ جن مراحل سے گزرے' ان سب کا ذکر قرآن حکیم میں موجود ہے۔

قرآن حکیم کے بعد سیرت نبویؐ کا دوسرا اہم ترین ماخذ ذخیرہ حدیث ہے' اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات' اور ان کے دلائل نبوت کو جمع کیا گیا ہے۔ متعدد علماء نے دلائل نبوت پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔

سیرت نبویؐ پر لکھی جانے والی کتابوں کا ایک تسلسل ہے' جن کے ٹوٹنے کی کوئی امید نہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ قیامت تک اس سلسلے کے قائم اور باقی رہنے کا یقین ہے۔ یہ ایک ایسا تسلسل ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔ ان کا احاطہ نہ کوئی کرسکا اور نہ ہی ممکن ہے۔ پھر آج صورت حال یہ ہے کہ دنیا کی تمام زندہ زبانوں میں سیرت نبویؐ پر مختصر اور مفصل کتابیں لکھی جاچکی ہیں۔

لکھی جا رہی ہیں' اور لکھی جاتی رہیں گی۔

جمع و تدوین حدیث کی جن حضرات نے ابتداء کی' ان میں محمد بن مسلم شہاب الزہری (م۱۲۴ھ) کا نام نمایاں ہے' یہ تابعی تھے۔ مدینہ میں قیام تھا۔ ایک ایک صحابی کے گھر جاتے اور اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات وارشادات کے بارے میں پوچھتے اور انہیں قلم بند کرتے۔ سیرت اور مغازی پر تصنیف وتالیف کی ابتداء انہوں نے ہی کی۔ لیکن ان کی کتابیں بعد میں آنے والوں تک نہ پہنچ سکیں۔ (۵)

ان کی علمی جستجو اور کاوش نے اہل علم میں سیرت نگاری کا شوق پیدا کر دیا اور ان کی علمی مجلس سے موسیٰ بن عقبہ (م۱۴۱ھ) اور محمد بن اسحاق (م۱۵۰) جیسے یگانہ روزگار افراد اٹھے جنہوں نے بطور خاص سیرت نگاری میں نام پیدا کیا اور بعد میں آنے والا کوئی سیرت نگار ایسا نہ رہا جس نے بلاواسطہ یا بالواسطہ ان دونوں حضرات سے استفادہ نہ کیا ہو۔

مسلمانوں کے اس فخر کا قیامت تک کون حریف ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حالات و واقعات کا ایک ایک حرف اس طرح محفوظ رکھا کہ دنیا کا کوئی فرد' جماعت یا قوم کسی شخصیت کے حالات وکوائف ایسی جامعیت کے ساتھ محفوظ نہیں رکھ سکی اور نہ آئندہ ایسے محیر العقل کارنامے کی توقع ہے۔

صرف ایک غرض سے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کی تحقیق کی جائے' انہیں جانچا اور پرکھا جائے کہ بیان کرنے اور پہچاننے والوں نے اپنے بعد والوں تک انہیں من وعن' صحیح صورت میں' کسی ترمیم و اضافے کے بغیر پہنچایا یا ان میں کوئی قطع و برید اور تحریف کی' مسلم علماء نے آپ کے دیکھنے' ملنے اور آپؐ کے احوال و افعال نقل کرنے والوں میں سے تیرہ ہزار اشخاص کے نام اور ان کے بنیادی کوائف جمع کئے۔ یہ دنیا میں اپنی نوعیت کا پہلا اور منفرد کارنامہ تھا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے علاوہ تاریخ کے لاکھوں صفحات میں آج تک کوئی ایسی شخصیت دریافت نہیں ہوئی' جس کے حالات و واقعات جمع کرنے میں اتنی کاوش کی گئی ہو اور ایک شخص کے حالات لکھنے' اور محفوظ کرنے کی خاطر کئی علوم وجود میں آگئے ہوں۔

اس زمانے میں جب ابھی تصنیف و تالیف بالکل ابتدائی مرحلے میں تھی۔ انہی افراد کے

حالات میں الطبقات الکبریٰ (ابن سعد)، کتاب الصحابہؓ (ابن السکن) اسد الغابہ (ابن اثیر جزری) الاستیعاب (ابن عبدالبر) الاصابہ فی تمیز الصحابہؓ (ابن حجر عسقلانی) جیسی کتابیں وجود میں آئیں۔

اس وقت کتب سیرت کا عمومی جائزہ لینا مقصود نہیں ہے اور نہ ہی یہ ممکن ہے۔ صرف ایک زبان کی کتب سیرت کا ذکر کروں گا اور وہ زبان ہے اردو، بلکہ اردو کی بھی تمام یا اکثر کتب سیرت کا ذکر ممکن نہیں، کیونکہ یہ کہنا یقیناً مبالغے سے خالی ہوگا کہ عربی زبان کے بعد، جو خود صاحب سیرت کی زبان ہے، سیرت کے حوالہ سے سب سے زیادہ لٹریچر اردو زبان میں ہے۔ جب کہ اردو زبان کی اپنی تاریخ دو سو سال سے زیادہ پر محیط نہیں ہے۔ لیکن حیرت ہوتی ہے کہ برصغیر پاک وہند کے مسلم اہل علم نے دو صدیوں میں چودہ صدیوں کا فاصلہ طے کیا۔ یہ بات بلاشبہ اردو زبان کے لئے بھی باعث فخر وسعادت ہے، اور اردو زبان میں سیرت رسولؐ کے مختلف پہلوؤں پر لکھنے والوں کے لئے بھی۔

اس وقت اردو زبان کی چند ایسی کتابوں کا تعارف پیش نظر ہے جنہوں نے علمی و تحقیقی نقطہ نظر سے سیرت لٹریچر میں ممتاز اور نمایاں مقام پایا اور اہل علم وفضل میں شہرت و مقبولیت بھی حاصل کی۔

آج کی محفل میں تعارف و تبصرے کے لئے حسب ذیل کتب کا انتخاب کیا ہے:

۱۔	تواریخ حبیب الٰہ	مفتی عنایت احمد کاکوروی
۲۔	الخطبات الاحمدیہؐ	سرسید احمد خان
۳۔	رحمتہ للعالمینؐ	قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری
۴۔	نشر الطیب	مولانا اشرف علی تھانوی
۵۔	سیرۃ النبیؐ	شبلی نعمانی
۶۔	اصح السیر	حکیم عبدالرؤف دانا پوری
۷۔	سیرۃ المصطفیٰؐ	مولانا محمد ادریس کاندھلوی

تواریخ حبیب الہ

مفتی عنایت احمد کاکوروی (۱۲۲۸ھ -- ۱۲۷۹ھ) کی سیرۃ النبیؐ پر معروف کتاب ہے۔ اس کتاب کا زمانہ تالیف ۱۲۷۵ ہجری/۱۸۵۸ء ہے۔ برصغیر کی تاریخ کے حوالہ سے یہ زمانہ انتہائی اہم ہے اور بطور خاص مسلمانوں کے نقطہ نظر سے پر آشوب بھی۔ یہ وہ زمانہ ہے جب انگریزی استعمار نے برصغیر میں مسلم اقتدار کو پامال کر کے پوری طرح پنجے جما لئے تھے اور مسلم زعماء اور علماء دار و رسن کی آزمائشوں سے گزر رہے تھے۔ خود اس کتاب کے مولف قید اور جلاوطنی کی زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔ جلاوطنی بھی ایک ایسے جزیرے کی جو "کالا پانی" کے نام سے مشہور تھا۔ یعنی جزائر انڈمان' وہاں ان کے پاس کوئی لائبریری تو کیا' کتاب تک نہیں تھی۔ کوئی ایسا ذریعہ نہیں تھا جس کی بنیاد پر آدمی کوئی کتاب لکھ سکے۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صاحب ان لوگوں میں سے تھے جو علم اپنے سینے میں محفوظ رکھتے ہیں' کتابوں کے محتاج نہیں ہوتے۔ اس صورت حال کا اظہار کتاب کے مختصر دیباچے میں اس طرح کرتے ہیں:

"راقم حروف کہ نیرنگی تقدیر سے فی الحال جزیرہ پورٹ بلیر انڈیمان میں وارد ہے' اور کوئی کتاب کسی طرح کی پاس اپنے نہیں رکھتا' بپاس خاطر شفیق غمگسار مصور عنایت برحال زار حکیم محمد امیر خاں صاحب نیٹو ڈاکٹر کے یہ رسالہ بیان تواریخ حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ۱۲۷۵ھ میں لکھتا ہے' اور نام تاریخی اس کا "تواریخ حبیب الہ" ہے" (٦)

مطالعہ اور موضوع سے متعلق کتابوں کی موجودگی کے بغیر محض حافظے کی مدد سے ۱۷٦ صفحات کی کتاب لکھ دینا باعث حیرت بھی ہے اور قابل تحسین بھی' اور یہ ایک سو چھتر صفحے بڑے سائز کے ہیں۔ کتاب قدیم طرز کی ہے۔ فصول اور ابواب کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں' نہ کوئی پیرا بندی ہے۔ بسم اللہ سے کتاب کا آغاز ہوتا اور تمت پر اختتام۔ کتاب کی ایڈیٹنگ کر کے مناسب کتابی سائز پر چھاپی جائے تو کم از کم ڈھائی سو صفحات پر آئے گی۔

یہ بات قابل ستائش ہے کہ کسی حوالہ کے بغیر لکھی جانے والی اتنی طویل تحریر میں کوئی بات خلاف واقعہ نہیں۔ اگر ماخذ و مصادر کی مدد سے لکھی جاتی تو بھی انہی واقعات پر مشتمل ہوتی۔ مصنف کی علمی دیانت تھی کہ انہوں نے اپنی قوت حافظہ پر کلی اعتماد نہیں کیا بلکہ جب قید سے رہائی پا کر وطن واپس آئے تو حدیث اور سیرت کی مستند کتابوں سے رجوع کیا' اپنی تالیف میں درج

تمام حالات و واقعات کا مقابلہ کیا' اور ان کی صحت کا اطمینان ہونے کے بعد کتاب چھاپنے کی اجازت دی۔

مولف نے خود اس کی وضاحت کی :

"یہ رسالہ فقیر نے بغیر موجود ہونے کسی کتاب کے صرف از روئے حافظہ لکھا تھا۔ پھر .بفضلہ تعالیٰ اور معاودت کے وطن میں کتب حدیث اور سیرت معتبرہ سے حرف بحرف مطابق کیا۔ الحمد للہ یہ رسالہ بہت معتبر سیرت آنحضرت میں تالیف ہوا۔ زبان اردو میں کوئی کتاب ایسی نہیں ہے۔ رسائل میلاد بزبان اردو بیان حالات آنحضرتؐ میں جو پائے جاتے ہیں۔ حالات صحیحہ پر مشتمل نہیں ہیں۔ کتب تواریخ غیر معتبرہ کے موافق ہیں یا جہاں سے چاہا' افسانے بے تحقیق اور غلط محض لکھ دیئے ہیں۔ مثلاً رسالہ میلاد میں کہ فی الحال بنگالہ میں بہت مروج ہے۔ ثوبیہ کا دودھ پلانا بعد حلیمہ سعدیہ کے لکھا ہے' یا صلح حدیبیہ کے قصہ کو اس طرح لکھا ہے کہ بعد فرضیت حج کے آنحضرتؐ حج کو تشریف لے گئے تھے' تب وہ قصہ واقع ہوا۔ سو یہ باتیں یقیناً غلط ہیں اور مخالف کتب احادیث اور سیر معتبرہ کے --- اور وہ بھی رسالے اکثر اس طرح کے ہیں۔ بیان قصہ معراج اور وفات شریف میں بعضے کتب تواریخ میں بہت روایتیں نامعتبر لکھی ہیں کہ رسائل میلاد شریف میں انہیں نقل کیا ہے۔ فقیر نے یہ حالات بیشتر موافق روایات صحیح بخاری و دیگر کتب معتبرہ حدیث کے لکھے ہیں" (۷)

جن معتبر کتابوں سے استفادہ کیا ہے ان میں صحاح ستہ کے علاوہ مواهب لدنیہ' روضۃ الاحباب' اور مدارج النبوت کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مولف نے بیہقی' قرطبی' حاکم' ابن حبان اور طبرانی کی روایات سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔ معجزات کے ذکر میں جلال الدین سیوطی کی معروف و ضخیم کتاب الخصائص الکبریٰ کے حوالے تو کہیں کہیں نظر آتے ہیں مگر مولف کا کہنا ہے کہ میں نے براہ راست اس کتاب کا مطالعہ نہیں کیا۔ یہ بھی ان کی علمی دیانت و ثقاہت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ (۸)

کتاب کا پہلا ایڈیشن نظامی پریس کان پور (بھارت) سے ۱۲۸۱ ہجری میں شائع ہوا۔ اس ایڈیشن کے مطالعے سے بظاہر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ اس کتاب کا سال تالیف

۱۲۸۱ ہجری ہے۔ جیسا کہ اس کا اظہار انہوں نے اپنے مقالے "اردو کا دینی ادب - ۱۸۵۷ء کے بعد" میں کیا ہے۔ (۹) لیکن یہ درست نہیں۔ مولف خود کتاب کے تعارفی کلمات میں سال تالیف کی وضاحت کر رہے ہیں کہ ۱۲۷۵ ہجری ہے' پھر اس کے بعد نہ کسی دوسرے مصدر سے مراجعت کی ضرورت رہتی ہے اور نہ مزید تحقیق و تفحص کی بات خودبخود معین ہو جاتی ہے۔

سبب تالیف انتہائی مختصر الفاظ میں اس طرح بیان کرتے ہیں:

"مطلع ہونا احوال برکت اشتمال جناب حبیب خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر موجب سعادت و ہزاروں برکت ہے۔ جیسا کہ وارد ہے: عند ذکر اولیاء اللہ تنزل الرحمتہ۔ یعنی ذکر اولیاء اللہ کے وقت اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے اور بھی خدائے تعالٰی نے فرمایا ہے: اے محمدؐ کہدو۔ اگر دوست رکھتے ہو تو خدا کو تم میری راہ پر چلو' اور میرے تابع رہو تاکہ خدا تمہیں دوست رکھے' اور تمہارے گناہ بخش دے اور اللہ بخشنے والا ہے' نہایت مہربان۔ اور ظاہر ہے کہ پیغمبر صاحب کی اتباع اور آپؐ کے طریقے پر چلنا بغیر اطلاع کے آپؐ کے حالات سے ممکن نہیں۔

الحمد للہ - یہ رسالہ بہت معتبر سیر آں حضرت میں تالیف ہوا۔ زبان اردو میں کوئی کتاب ایسی نہیں ہے۔ رسائل میلاد بزبان اردو بیان حالات آنحضرتؐ میں جو پائے جاتے ہیں' وہ حالات صحیحہ پر مشتمل نہیں ہیں" (۱۰)

کتاب اگرچہ کم و بیش ایک سو اڑتالیس برس قبل کی تصنیف ہے اور ظاہر ہے کہ اس وقت کی اور آج کی اردو میں بہت فرق ہے۔ مگر اس کے باوجود اس کی یہ خوبی ہے کہ آج بھی اس کی زبان غیرمانوس نہیں۔ نہ اس میں عربی اور فارسی الفاظ کی بھرمار ہے۔ زبان اور اسلوب بیان کا اندازہ لگانے کے لئے دو اقتباسات پیش کرنا کافی ہوں گے۔

قصہ حدیبیہ کے بیان میں لکھتے ہیں:

"ایک عمدہ وقائع زمان ہجرت میں قصہ صلح حدیبیہ کا ہے' شرح اس کی یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپؐ مکہ کو تشریف لے گئے ہیں اور آپؐ نے عمرہ ادا کیا ہے۔ آپؐ نے یہ خواب اصحاب سے بیان کیا' اصحاب تو شوق مکہ اور تمنائے زیارت خانہ کعبہ سے بے قرار تھے۔ خواب سن کے سب نے

تیاری سفر مکہ کی کر دی اور حضورؐ اقدس نے بھی اور مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے۔ یہاں تک کہ متصل مکہ کے پہنچ گئے اور قریش نے سن کے کہا کہ "ہم ہرگز مکہ میں نہ آنے دیں گے' اور اونٹنی آپؐ کی کہ قصواء اس کا نام تھا اور آپؐ اس پر سوار تھے مکہ کے سامنے جاتی تھی کہ بیٹھ گئی' صحابہؓ اسے اٹھانے لگے اور کہنے لگے کہ قصواء کی عادت تو بیٹھ جانے کی نہ تھی۔ آپؐ نے فرمایا کہ اونٹنی اللہ کے حکم سے بیٹھی ہے۔ جیسے فیل اصحاب فیل کا بیٹھ گیا تھا۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ الٰہی قریش مجھ سے جو امور تعظیم خانہ کعبہ کے چاہیں گے میں کوتاہی نہ کروں گا یہ کہ اونٹنی کو اٹھایا' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر آپؐ نے وہاں سے پھر کے حدیبیہ قیام کیا۔ حدیبیہ ایک کنویں کا نام ہے۔ اس کے پاس میدان ہے وہاں ٹھہرے" (۱۱)

۸ ہجری میں جب اللہ تعالٰی نے مسلمانوں کو مشرکین مکہ پر غلبہ عطا کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فاتحانہ مکہ میں داخل ہوئے تو اظہار شان وشوکت کے بجائے آپؐ اللہ کا شکر ادا کر رہے تھے اور سراپا عجز وانکسار کی تصویر تھے۔ مولف اس کا نقشہ اس طرح کھینچتے ہیں:

"بوقت داخل ہونے مکہ کے آپؐ نے بنظر تواضع بجناب ایزدی سر مبارک بہت جھکایا یہاں تک کہ کجاوے سے ریش مبارک لگ گئی۔ یہ خیال کرکے کہ مکہ سے کس طرح نکلنے کا اتفاق ہوا تھا' اور کس عظمت و شوکت سے رب العزت نے داخل کیا' اور ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے پالان ہی پر سجدہ کیا' مکہ میں پہنچ کر ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر میں جاکے غسل کیا اور آٹھ رکعتیں چاشت کی نماز پڑھیں۔ ام ہانی نے عرض کیا میرا بھائی علی فلانے کو قتل کیا چاہتا ہے اور میں نے اسے امان دی ہے۔ وہ ام ہانی کے شوہر کے اقارب میں سے تھا' آپؐ نے فرمایا "جسے تونے امان دی ہے' اسے میں نے بھی امان دی" (۱۲)

بہرکیف زبان قدیم ہونے کے باوجود سادہ اور عام فہم ہے۔ کتاب کے اختصار کو اگر دیکھا جائے تو اس کے اعتبار سے مواد کافی ہے۔ سیرت پاک کے حوالہ سے تقریباً" باتیں تمام بنیادی کتاب کا حصہ ہیں۔ زیادہ مضمون کے لئے کم الفاظ استعمال کرنا' یہ مشکل کام ہے۔ مفتی عنایت احمد نے اس مشکل کام کو حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیا ہے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ اردو میں سیرت طیبہ پر لکھی جانے والی اس مستند اور بنیادی کتاب کو اہل علم نے وہ اہمیت نہیں دی جس کی یہ مستحق تھی۔ کسی نے اگر اس کا تعارف بھی کرایا تو چند سطروں سے زیادہ لکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔

کتاب تین ابواب اور ایک خاتمے پر مشتمل ہے۔ باب اول میں حالات نور مبارک" ولادت باسعادت، طفولیت، شباب اور آغاز نبوتؐ سے لے کر ہجرت تک کا بیان ہے۔ باب دوم میں ہجرت سے وفات تک کے حالات ہیں۔ باب سوم میں حلیہ شریف، اخلاق کریمہ اور معجزات کا بیان ہے اور خاتمہ میں شفاعت کبریٰ کا تذکرہ ہے۔ مصنف نے ہر باب کو مختلف فصلوں میں تقسیم کیا ہے اور ہر واقعہ کے آغاز میں لفظ حال لکھ دیا ہے۔

پہلا باب، چھ فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل میں نور محمدیؐ کا ذکر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد میں عبدالمطلب اور آپؐ کے والد عبداللہ کا مختصر تذکرہ ہے۔ دوسری فصل میں حضورؐ کی ولادت باسعادت کا حال بیان کیا گیا ہے اور ان معجزات کا بھی جو آپ کی پیدائش کے وقت ظہور میں آئے۔ تیسری فصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعت اور طفولیت سے بحث کرتی ہے، اور یہاں بھی ان معجزات کا بیان ہے، جو آپؐ کے ایام رضاعت وطفولیت میں ظاہر ہوئے۔ چوتھی فصل میں آپؐ کے حالات شباب تا نبوت درج ہیں۔ پانچویں فصل، زمانہ نبوت تا واقعہ معراج کے بیان پر مشتمل ہے اور چھٹی فصل میں واقعہ معراج کا تفصیلاً" ذکر کیا گیا ہے۔ آخری دونوں فصلیں، پہلی چاروں فصلوں کے مقابلے میں قدرے طویل ہیں۔

دوسرا باب تیس فصلوں پر مشتمل ہے اور یہ سب سے طویل باب ہے جو کتاب کے ۱۲۰ صفحات پر محیط ہے۔ اس باب میں آنحضرتؐ کی ہجرت سے لے کر وفات تک کے وقائع جمع کر دیئے گئے ہیں۔ مکہ سے مدینہ کی طرف آپؐ کی ہجرت، مدینہ میں آمد، غزوہ بدر، حضرت فاطمہؓ کا نکاح، غزوہ احد، غزوہ بدر ثانی، سریہ رجیع، قصہ بیر معونہ، غزوہ بنی نضیر، غزوہ خندق، غزوہ بنی قریظہ، قتل کعب بن اشرف، قتل ابو رافع یہودی، قصہ افک، حکم تیمم، صلح حدیبیہ، غزوہ خیبر، عمرۃ القضاء، خالد بن ولید، عمرو بن العاص اور عثمان بن طلحہ کا اسلام لانا، بادشاہوں اور سرداروں کے نام دعوت حق کے خطوط، سریہ ابوعبیدہ بن الجراح، غزوہ موتہ، فتح مکہ غزوہ حنین، وفود کا بیان، غزوہ تبوک، فرضیت حج اور ابوبکر صدیقؓ کا امیر الحاج ہونا، مباہلہ، حجتہ الوداع اور حضورؐ کی وفات کا ذکر الگ

فصل میں کیا گیا ہے۔

تیسرا باب، حضورؐ اکرم کے حلیہ شریفہ، اخلاق کریمہ اور معجزات کے بیان پر مشتمل ہے۔ اس باب میں صرف تین فصلیں ہیں۔ فصل اول حلیہ شریفہ کے بیان میں ہے۔ فصل دوم آپؐ کے اخلاق کریمہ کا تذکرہ کرتی ہے اور فصل سوم معجزات نبویؐ کے ذکر پر محیط ہے۔ اس فصل میں حضورؐ کے پچاس معجزات بیان کئے گئے ہیں۔

خاتمہ کتاب بھی ایک مختصر سے باب کی طرح ہے اور اس میں شفاعت کبریٰ کا بیان ہے۔ یہ باب صحیح بخاری اور دیگر کتب احادیث کی مدد سے مرتب کیا گیا ہے اور اس میں روز قیامت نبی علیہ السلام کا اپنے امتیوں کے لئے اللہ سے بخشش کی سفارش کا تذکرہ ہے۔

تواریخ حبیب الہ کے بارے میں اتنا عرض کرنے کی اجازت چاہوں گا کہ ناقدوں اور عالموں کی تمام تر بے رخی کے باوجود یہ کتاب اس قابل ہے کہ سیرت رسولؐ کے موضوع پر اسے نہ صرف یہ کہ ایک اہم بنیادی کتاب مانا جائے بلکہ ماخذ ومصدر کی حیثیت سے بھی تسلیم کیا جائے۔

الخطبات الاحمدیہؒ:

سرسید احمد خان (۱۸۱۷ء — ۱۸۹۸ء) کی محولہ بالا کتاب کا پورا نام "الخطبات الاحمدیہؒ علی العرب والسیرۃ المحمدیہ" ہے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ اصل کتاب جو کہ اردو میں لکھی گئی، بعد میں شائع ہوئی اور اس کا انگریزی ترجمہ کم وبیش سات برس پہلے ۱۸۷۰ء میں

"A series of Essays on the life of Muhammad"

کے نام سے لندن سے شائع ہوا اور اصل اردو کتاب ضروری اضافوں کے ساتھ ۱۸۸۷ء میں ہندوستان میں طبع ہوئی۔

اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ سرسید احمد خان نے یہ کتاب ولیم میور کی مشہور انگریزی کتاب سیرۃ رسولؐ کے جواب میں لکھی۔

ولیم میور نے چار جلدوں پر مشتمل اپنی ضخیم کتاب "لائف آف محمدؐ" (چار جلدوں میں)

۱۸۶۱ء میں شائع کی۔ سرسید احمد خان کے بقول "جب یہ کتاب چھپی اور ہندوستان میں پہنچی تو لوگوں نے اس کو نہایت ذوق سے پڑھا۔ مگر جب وہ اس حقیقت تک پہنچے کہ اس کتاب میں اسلام کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیدھی سادھی باتوں کو بھی توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے' تو ان کا وہ شوق ٹھنڈا پڑ گیا۔ تاہم انگلستان اور ہندوستان کے تعلیم یافتہ طبقہ کو اس کتاب نے بہت متاثر کیا۔ (۱۳)

ولیم میور سے پہلے بھی بعض مغربی مصنفین متعدد ایسی کتابیں اور تحریریں لکھ چکے تھے جن میں اسلام اور داعی اسلام کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کیا تھا اور دیدہ و دانستہ حقائق کو مسخ کرکے پیش کیا گیا تھا۔ دوسرے مغربی مصنفین اور ولیم میور کی کتابوں میں ایک بنیادی فرق تھا وہ یہ کہ انہوں نے اسلام اور داعی اسلام پر جو الزامات لگائے وہ سرسری نوعیت کے تھے' اور اسلام کی بنیادی کتابوں تک ان کی رسائی نہ تھی۔ لیکن ولیم میور نے اسلامی علوم کا مطالعہ کیا اور اعتراضات کرتے ہوئے تفسیر' حدیث' سیرت اور تاریخ کی کتابوں کے حوالے دیئے اور اس طرح کے تلبیسی عمل سے اسلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص کی۔ یہ طریقہ کار سخت خطرناک تھا۔ سرسید احمد کہتے ہیں:

"اس کتاب سے میرے دل پر جو اثر پیدا ہوا' وہ یہ تھا کہ آنحضرتؐ کے متعلق حالات میں ایک کتاب اس طرح لکھی جاوے کہ جو جو باتیں صحیح' اصلی اور منقح ہیں اور مستند روایتوں سے بخوبی ثابت ہیں' ان کو چھان بین کرکے ترتیب سے لکھا جاوے اور جو حالات شتبہ اور مشکوک ہیں' اور ان کا ثبوت معتبر یا کافی نہیں ہے' ان کو جداگانہ اسی ترتیب سے جمع کیا جاوے۔" (۱۴)

مولانا الطاف حسین حالی نے بھی اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ جب ولیم میور کی کتاب ہندوستان پہنچی تو اسے دیکھ کر سرسید احمد خان بہت بے چین ہوئے۔ ان کے دل میں اسی وقت اس کی جوابدہی کا خیال پیدا ہوا۔ وہ برابر اس امر کا جائزہ لیتے رہے کہ ولیم میور کی کتاب کا جواب کس طرح دیا جائے۔ اس کے لئے علمی اور مالی ذرائع کی تلاش شروع کی۔ انہوں نے محسوس کیا کہ ہندوستان میں بیٹھ کر اس کا جواب لکھنا شاید ممکن نہ ہو کیوں کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد ہند پر برطانوی تسلط اور اقتدار کے نتیجے میں بیشتر اسلامی کتب خانے برباد ہوگئے تھے اور اس

کتاب کی جواب دہی میں جن قدیم کتابوں کی ضرورت تھی وہ یا تو انقلاب اور افراتفری کی نذر ہوچکی تھیں' یا انگریز مسلمانوں کا اس طرح کا قیمتی علمی سرمایہ ہندوستان سے سمیٹ کر لندن لے گئے تھے اور مسلمانوں کے گراں قدر علمی سرمائے سے انہوں نے اپنی لائبریریاں سجالی تھیں۔

۱۸۶۹ء میں سرسید احمد خان کے بیٹے کو انگلستان جانے کے لئے تعلیمی وظیفہ ملا تو سرسید احمد بھی ان کے ہمراہ لندن چلے گئے اور وہاں جاتے ہی ولیم میور کی کتاب کا جواب لکھنے میں معروف ہوگئے۔ (۱۵)

لندن پہنچ کر نواب محسن الملک کے نام پر جو خط لکھا' اس میں اس بات کا اظہار کیا گیا ہے کہ وہاں تصنیف و تالیف کے غیرمعمولی ذرائع حاصل ہیں' انڈیا آفس لائبریری دیکھی تو ہوش جاتے رہے' کتب خانہ نہیں' کتابوں کا شہر ہے" کاش سرسید یہ بھی وضاحت کر دیتے کہ کتابوں کا یہ شہر سفید فاموں نے اپنی محنت سے نہیں بسایا تھا' ان کی محنت صرف چوری کی حد تک تھی۔ اس کی پشت پر صدیوں کی محنت ان رنگ دار لوگوں' اور خصوصاً مسلمانوں کی تھی جن کو انہوں نے اپنا غلام بنا لیا تھا۔

بہرکیف سرسید احمد نے لندن میں موجود ذرائع وسائل کی مدد سے ایک سال کے مختصر عرصے میں بارہ مقالے لکھے' اور اردو میں شائع کرنے کے بجائے پہلے ایک انگریز سے انگریزی میں ان کا ترجمہ کرایا اور ۱۸۷۰ء میں انہیں لندن ہی سے شائع کیا۔ (۱۶)

اصل کتاب سے پہلے انگریزی ترجمہ شائع کرنے سے مقصد صاف ظاہر تھا کہ وہ ولیم میور کی کتاب کا جواب دینا چاہتے تھے جو کہ اردو زبان میں کتاب کی اشاعت سے حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ میور کی کتاب کے مندرجات سے سرسید احمد کی طبیعت میں کتنا جوش اور ملال تھا' وہ ان کی متعدد تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے۔ اپنے ایک خط میں اپنے جذبات کا اظہار یوں کیا:

"ولیم میور نے جو کتاب آنحضرتؐ کے حال میں لکھی ہے' وہ میں دیکھ رہا ہوں۔ اس نے دل کو جلا دیا اور اس کی ناانصافیاں' اور تعصبات دیکھ کر دل کباب ہوگیا اور مصمم ارادہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں جیسا کہ پہلے ارادہ تھا' کتاب لکھدی جاوے۔ اگر تمام روپیہ خرچ ہو جاوے اور میں فقیر بھیک مانگنے کے لائق ہو جاؤں تو بلا سے' قیامت میں یہ تو کہکر پکارا جاوے گا کہ اس فقیر مسکین احمد کو

جو اپنے دادا حضرت محمدؐ کے نام پر فقیر ہو کر مر گیا تھا' حاضر کرو' مارا تمغہ شاہنشاہی بس است" (۱۷)

سرسید احمد کے اس خط سے جہاں ان کے دلی جذبات اور اس والہانہ محبت کا اظہار ہوتا ہے جو ان کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے ساتھ تھی۔ وہاں ان مشکلات اور دشواریوں کا ایک نقشہ بھی نظروں کے سامنے کھچ جاتا ہے جو انہیں اس کتاب کی تالیف واشاعت میں پیش آئیں۔ ایک خط میں اس کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

میں شب وروز تحریر کتاب سیر مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مصروف ہوں' سب کام چھوڑ دیا ہے۔ لکھتے لکھتے کمر درد کرنے لگتی ہے۔ ادھر فکر ترتیب مضامین کتاب' ادھر فکر جواب اعتراضات' ادھر فکر تنقیح وتصحیح روایات صحیح میں مبتلا رہتا ہوں اور کسی شخص کے مددگار نہ ہونے سے یہ کام اور بھی سخت ہوگیا ہے۔ ادھر جب حساب دیکھتا ہوں تو جان نکل جاتی ہے کہ الٰہی لکھنا اور چھپوانا تو شروع کر دیا' روپیہ کہاں سے آئے گا۔" (۱۸)

الخطبات الاحمدیہ' ایک دیباچہ اور بارہ خطبات پر مشتمل ہے۔ کتاب کے مختلف ایڈیشن شائع ہوچکے ہیں۔ ناچیز راقم کے زیر نظر جو ایڈیشن ہے وہ لاہور کا مطبوعہ ہے۔ لاہور کے قدیم اور معروف ناشر ملک چنن دین اس کے ناشر ہیں۔ بہت خوب صورت طباعت ہے۔ تاریخ طبع درج نہیں۔ ۴۴۸ صفحات ہیں۔ مجلس ترقی ادب لاہور نے ۱۹۶۳ء میں مقالات سرسید کے عنوان سے جو ایڈیشن شائع کیا ہے وہ ۸۰۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ خطبے کی حیثیت ایک باب کی ہے۔ ہر خطبے کا عنوان عربی میں ہے جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

۱- الخطبتہ الاولی فی جغرافیہ جزیرۃ العربیہ و امم العرب العاربہ والمستعربہ (یعنی ملک عرب کا جغرافیہ اور اس کی قوموں کا حال)۔

۲- الخطبتہ الثانیہ فی مراسم العرب و عاد اتہم قبل الاسلام (یعنی اسلام سے قبل عربوں کی رسمیں اور ان کی عادتیں)۔

۳- الخطبتہ الثالثہ فی الادیان المختلفہ التی کانت فی العرب قبل الاسلام (یعنی اسلام سے پہلے عرب کے مختلف مذاہب اور ادیان کا ذکر)۔

۴- الخطبتہ الرابعہ فی ان الاسلام رحمتہ للانسان و جنتہ لادیان الانبیا با وضح البرہان (یعنی اسلام انسان کے لئے رحمت ہے اور تمام انبیاء کے مذاہب کی پشت پناہ)۔

۵- الخطبتہ الخامسہ فی حالات کتب المسلمین (یعنی مسلمانوں کی مذہبی کتابوں‘ کتب حدیث‘ کتب سیرۃ‘ کتب تفسیر اور کتب فقہ کے بیان میں)۔

۶- الخطبتہ السادسہ فی الروایات فی الاسلام (یعنی مذہب اسلام کی روایتوں کی حقیقت اور ان کے رواج کی ابتداء)۔

۷- الخطبتہ السابعہ فی القران و ھو الھدی و الفرقان (یعنی قرآن کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کس طرح نازل ہوا)۔

۸- الخطبتہ الثامنہ احوال بیت اللہ الحرام و السوانح اللتی مضت فیہا قبل الاسلام (یعنی خانہ کعبہ اور اس کے گذشتہ حالات اسلام سے قبل)۔

۹- الخطبتہ التاسعتہ حسبہم و نسبہ علیہ الصلوۃ و السلام (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامہ کے بیان میں)۔

۱۰- الخطبتہ العاشرہ فی البشارۃ المذکورۃ فی التوراۃ و الانجیل(یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارات کے بیان میں جو توریت اور انجیل میں مذکور ہیں)۔

۱۱- الخطبتہ الحادی عشر فی حقیقتہ شق الصدر و ماھئیتہ المعراج (یعنی شق صدر کی حقیقت اور معراج کی ماہیت کے بیان میں)۔

۱۲- الخطبتہ الثانی عشر فی ولادۃ و طفولیتہ علیہ الصلوۃ والسلام (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اور بچپن کے حالات۔ ۱۲ برس کی عمر تک)

تمہید میں سرسید احمد نے سب سے پہلے مذہب کی حقیقت پر روشنی ڈالی ہے اور سچے مذہب کو پرکھنے کا واحد اصول اس کا قدرت یا قانون قدرت کے مطابق ہونا قرار دیا ہے اور اسلام کو قانون قدرت کی پاسداری کرنے کی وجہ سے دنیا کا سچا مذہب ثابت کیا ہے۔ اس کے بعد مسلمانوں اور عیسائیوں کی تحریر کردہ کتب سیرت پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔ پہلے تو انہوں نے محدثین کے کارناموں کے سلسلے میں امام ابو عیسیٰ ترمذی کی ”شمائل ترمذی“ کا حوالہ دیا ہے‘ جو ان کے خیال میں آنحضرتؐ کی زندگی کے حالات پر پہلی مکمل کتاب ہے۔ پھر انہوں نے کتب احادیث میں موجود

روایات کو پرکھنے کے وہ اصول و قواعد گنوائے ہیں جو پیش نظر ہوں تو آنحضرتؐ کی سوانح حیات کے صحیح واقعات تک رسائی ہوتی ہے۔ کتب سیر میں انہوں نے ابن اسحٰق، ابن ہشام، واقدی، طبری، الشامی، ابوالفدا، مسعودی اور قسطلانی کی کتابوں کا نام لیا ہے جو خاص آنحضرتؐ کے حالات کے لئے لکھی گئی ہیں۔ ان کے علاوہ عربی اور فارسی کی اور کتب سیرت بھی موجود ہیں لیکن ان کا ماخذ یہی کتابیں ہیں۔ سرسید کی رائے میں یہ سب کتابیں سچی اور جھوٹی روایتوں کا مجموعہ ہیں جن میں صحیح اور غلط کا کوئی امتیاز نہیں رکھا گیا، بلکہ انہوں نے تو یہاں تک کہا ہے کہ جو کتابیں ان میں زیادہ قدیم ہیں (مثلاً" ابن اسحاق، ابن ھشام، واقدی اور طبری کی کتابیں) ان میں اس قسم کا اختلاط نسبتاً" زیاد ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان سیرت نگاروں نے روایات جمع کرنے پر زیادہ توجہ دی لیکن ان کی چھان بین کا کام آئندہ نسلوں پر چھوڑ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اب فن سیر کی تمام کتابوں میں صحیح و موضوع، جھوٹی اور سچی، سند اور بے سند، ضعیف و قوی اور مشکوک و مشتبہ روایتیں مخلوط اور گڈمڈ ہیں۔

پہلا خطبہ :۔ یہ خطبہ کتاب کا سب سے طویل مقالہ ہے اور طوالت و جامعیت کے اعتبار سے بجائے خود ایک کتاب ہے۔ اس میں مصنف نے ملک عرب کا مفصل تاریخی جغرافیہ درج کیا ہے۔ تاکہ ان مسلمات کو ثابت کیا جاسکے جن کا سر ولیم میور نے اپنی کتاب میں انکار کیا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے سرسید احمد نے کتاب کا جو مقدمہ لکھا، اس سے اور اس سے بڑھ کر ان خطوط سے جو انہوں نے لندن جانے کے بعد ہندوستان اپنے احباب کو لکھے۔ یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ولیم میور کی کتاب سے انہیں کتنی تکلیف ہوئی۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے ان پر کیا گزری کہ تہی دست، اور مادی طور پر بے سروسامان ہونے کے باوجود انہوں نے اس بات کا پختہ عزم کیا کہ وہ پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بھرپور دفاع کریں گے اور ان پر جو الزامات لگائے گئے ہیں خواہ ان کی اساس لاعلمی پر ہے یا بدنیتی پر، وہ ان کے مثبت جوابات دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی قدرت اور علم کی حد تک اپنے عزم کو پورا کرنے کی کوشش کی۔

سرسید احمد خان سے پہلے مولوی رحمت اللہ کیرانوی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، اور مولوی آل حسن اکبر آبادی۔ عیسائیوں کے رد میں متعدد عالمانہ کتابیں لکھ چکے تھے۔ لیکن ان کتابوں کا انداز مناظرانہ تھا، دوسرے یہ کہ ان حضرات نے جو کچھ لکھا وہ اردو میں لکھا، علم کی میزان میں ان

کتابوں کا وزن بہت بھاری تھا مگر اردو میں ہونے کے سبب مغرب کے اعتراض کرنے والے اہل علم ان کتابوں کا براہ راست مطالعہ نہ کرسکے۔ انہی کی زبان میں ان کا جواب دیا جائے۔ اس میں پہل کرنے والے بلاشبہ سرسید احمد خان تھے۔ انہوں نے کوشش کی کہ مغربی مصنفین کو انہی کے دلائل سے قائل کیا جائے۔ چنانچہ بہت سے اہل علم یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ "سرسید احمد کی کتاب متعصبانہ، نفرت وحقارت اور گالیوں کی بوچھاڑ سے پاک، عقلی اور ادبی استدلال پر مبنی ایک سنجیدہ تحریر ہے"۔ (۱۹)

اور یہ حقیقت بھی ہے کہ سرسید احمد نے ولیم میور، اور دوسرے مغربی مصنفین کے اعتراضات کو جواب دیتے وقت مناظرانہ، معاندانہ یا طنز آمیز انداز اختیار نہیں کیا بلکہ عالمانہ اور سنجیدہ لب ولہجہ میں گفتگو کی ہے۔ انہوں نے جوابی الزامات سے بھی گریز کیا ہے۔ لفظی صناعی اور عبارت کی آرائش و زیبائش کے بجائے سادگی اور روانی کو اپنایا ہے۔

جغرافیہ عرب، اور قبائل عرب کے بارے میں (خطبہ اول میں) سرسید احمد خان نے جو تحقیق کی ہے وہ اردو میں لکھی جانے والی دوسری کتب سیرت میں ہمیں نہیں ملتی۔ اس کی ایک نمایاں اور منفرد خصوصیت یہ ہے کہ عبرانی بائیبل کے حوالے بہت سے مقامات پر دیئے ہیں۔ خصوصاً" پہلے خطبہ میں، اور ایسے تمام حوالے عبرانی زبان اور حروف ہی میں دیئے ہیں۔ اردو میں ان کا ترجمہ اور وضاحت کردی ہے۔

"الخطبات الاحمدیہ" جہاں بعض منفرد خصوصیات کی حامل ہے، اور اس کے مصنف سرسید احمد خان نے اس کتاب کے مقدمہ اور اپنے بعض خطوط میں، اس کتاب کی تالیف کے لئے جس خلوص، جذبے اور لگن کا اظہار کیا ہے وہ قابل قدر ہے۔ وہاں بعض باتیں مصنف کے حوالے سے، اور بعض کتاب کے حوالہ سے جمہور علماء کی آراء سے مختلف بھی ہیں اور کسی حد تک قابل اعتراض بھی۔

مصنف نے اپنے مدمقابل ولیم میور کے بارے میں کسی مرحلے پر مناظرانہ اور معاندانہ یا طنز آمیز لب ولہجہ اختیار نہیں کیا۔ ان کے اعتراضات کا جواب عالمانہ طریقے سے دینے کی کوشش کی ہے۔ باوجود یہ کہ وہ اس کتاب کی تالیف سے پہلے خاصے جذباتی نظر آتے ہیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ انہوں نے اپنے اسلاف پر جہاں تنقید کی ہے، وہاں انہوں نے شائستگی کو خیرباد کہدیا ہے۔

مثلاً" امام محمد بن اسماعیل بخاری کے بارے میں لکھتے ہیں:

"محمد اسماعیل بخاری مسلمانوں میں بہت بڑا عالم اور مقدس مصنف ہے۔ ایک کتاب اس کی صحیح بخاری ہے، جو بلحاظ اس حیثیت کے جس حیثیت سے وہ تصنیف ہوئی ہے، نہایت معتبر اور مستند خیال کی جاتی ہے۔ گو کہ دوسری حیثیت سے وہ ایسی نہ ہو۔ دوسری کتاب اس کی تاریخ بخاری ہے جو کچھ بھی قدر کے لائق نہیں ہے" (۲۰)

امام محمد بن اسماعیل بخاری کا پوری امت مسلمہ میں جو مرتبہ ہے، وہ محتاج بیان نہیں۔ ان کے لئے سرسید احمد خان نے جمع کا صیغہ (یعنی ان، تھے، یا ہیں وغیرہ) استعمال کرنے کی بھی زحمت نہیں کی۔ پھر ان کی الجامع الصحیح پر جو تبصرہ کیا وہ بھی بہت مبہم ہے۔ اس حیثیت، اور دوسری حیثیت سے نہ جانے کیا مراد ہے۔؟ یہ بات محل نظر بن جاتی ہے کہ عام قاری تیسری صدی اور چوتھی صدی ہجری کے اکابر علماء اور محدثین کی اس رائے کو تسلیم کریں کہ امام بخاری کی الجامع الصحیح کتاب اللہ کے بعد سب سے صحیح تر کتاب ہے یا سرسید احمد خان کی بات کو مانیں۔

سیرت کی معروف کتاب مواہب لدنیہ کے مصنف علامہ قسطلانی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"مصنف مواہب لدنیہ نے سب سے زیادہ نادانی کی ہے کہ ان مختلف روایتوں کو دیکھ کر بعوض اس کے کہ ان کو نامعتبر ٹھہراتا، یہ تسلیم کیا ہے کہ شق صدر کا واقعہ پانچ مرتبہ پیش آیا" (۲۱)

ہم عصر علماء کے بارے میں بھی کئی مقامات پر غیر شائستہ زبان استعمال کی۔ مثلاً"

"بعض احباب نالائق مثل مولوی زین العابدین نے میرا ارادہ درباب تحریر جواب کتاب ولیم میور صاحب جو نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لکھی ہے، ست کر دیا ہے، اور بروقت روانگی سامان اور چندہ کرنے نہیں دیا"۔(۲۲)

بعض مباحث میں انتہائی تحقیق اور تفحص کے باوجود الخطبات الاحمدیہ اہل علم کی نظروں میں ایک متنازعہ کتاب قرار پائی۔ میں اگر یہ کہوں تو شاید حقیقت سے انحراف نہ ہوگا کہ بہت سے امتیازی خصائص کے باوجود الخطبات الاحمدیہ سیرت کے موضوع پر اردو میں لکھی جانے والی تمام قابل ذکر کتابوں میں سب سے زیادہ ہدف تنقید بنی۔ اس کی بنیادی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ولیم میور یا دوسرے مستشرقین نے اسلام، اور پیغمبر اسلام کی ذات سے وابستہ جن واقعات پر اعتراض

کیا تھا' سرسید احمد خان ان واقعات کی حقیقت اور وقوع سے ہی دست بردار ہو گئے۔

مستشرقین نے جسمانی معراج پر اعتراض کیا۔ سرسید احمد خان نے بجائے اس کے کہ دلائل سے یہ بات ثابت کرتے کہ ایسا ہونا ممکن ہے' وہ سرے سے ان روایات ہی کا انکار کر بیٹھے جن سے اس واقعہ کا ثبوت ملتا ہے۔ حالانکہ اب ایک صدی گزرنے کے بعد سائنسی تحقیقات اس منزل تک پہنچ گئی ہیں کہ خود وہ طبقہ جو کل تک بہت سی ایسی باتوں کا انکار کرتا تھا جو پیغمبر اسلام کی ذات کے حوالہ سے کہی جاتی تھیں' اب ان کا معترف نظر آتا ہے۔

غیب پر ازعان و یقین کی دولت سے محروم شخص تو مشاہدے کے بعد کسی چیز پر یقین کرتا ہے۔ وہ سب سے زیادہ عقل کا دعوے دار ہے لیکن عقل کو سب سے کم استعمال کرتا ہے لیکن جو لوگ اس حقیقت تک پہنچ جاتے ہیں کہ وحی کے ذریعے حاصل ہونے والا علم ہزارہا مشاہدوں اور تجربوں سے زیادہ یقینی ہوتا ہے۔ ان کے لئے اس قسم کے اعتراضات کی جواب دہی نسبتاً" آسان ہو جاتی ہے اور انہیں فرار کی راہ اختیار کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

اس سلسلے میں ایک بنیادی بات عرض کرنے کی اجازت چاہوں گا' وہ یہ کہ سرسید احمد خان اور ان جیسے بعض دوسرے حضرات کو انبیاء کی ذات سے وابستہ بعض واقعات کو تسلیم کرنے میں دشواری اس لئے محسوس ہوتی ہے اور وہ شک اور تذبذب کا شکار اس بنا پر ہوتے ہیں کہ وہ ان واقعات کو عقل کے ترازو میں تولنے لگتے ہیں اور ان واقعات کو بھی عام انسانوں کے ساتھ پیش آنے والے واقعات پر قیاس کرتے ہیں اور یہیں سے بنیادی خرابی کا آغاز ہوتا ہے۔

انبیاء کے ساتھ پیش آنے والے بعض خلاف عادت واقعات کو معجزہ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ دوسروں کے لئے اس طرح کا عمل ممکن نہیں ہوتا' اور نہ اس جیسے عمل کا نبیوں اور رسولوں کی ذات کے علاوہ کسی اور ذات سے صدور ممکن ہوتا ہے۔ معجزہ تو حقیقت میں معرفت نبوت کا ایک ذریعہ ہے۔ اسے عقل کی ترازو میں کیسے تولا جاسکتا ہے۔ نبوت و رسالت کی حدیں تو شروع ہی وہاں سے ہوتی ہیں۔ جہاں انسانی عقل کی رسائی ختم ہو جاتی ہے اور اس کے حواس' ادراک و شعور سے عاجز و درماندہ ہو جاتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نبوت و رسالت سے پہلے شق صدر کا واقعہ پیش آیا' محدثین اور اسلاف کا اس بارے میں تو اختلاف ہوا کہ یہ واقعہ کتنی بار پیش آیا لیکن جمہور علماء

نے ہمیشہ اس کے وقوع کو تسلیم کیا' اس کے منکر نہیں ہوئے اور اس کا ذکر ایک معجزے کے طور پر کیا گیا۔ لیکن سرسید احمد خان نے شق صدر کا انکار کیا۔ اس انکار کی وجہ بھی یہی بنیادی غلطی بنی کہ "عقل میں نہیں آتا" عام انسانوں کے ساتھ پیش آنے والے بہت سے واقعات یا عام انسانوں کی بہت سی تخلیقات بے شمار لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتیں لیکن اس کے باوجود لوگ ان باتوں کو مانتے ہیں۔ حالانکہ ان کا تعلق فنی مہارت اور کسب سے ہے۔ بہت سے لوگوں کو اس کی سمجھ بھی ہوتی ہے اور قدرت بھی جب کہ معجزہ صرف ذات نبی کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے۔ نبی کے علاوہ کسی اور کی ذات سے اس کا وقوع ممکن نہیں ہوتا۔

سرسید احمد خان نے شق صدر کو شرح صدر سے تعبیر کیا اور جمہور علماء کے برخلاف یہ بات کہی کہ شق صدر سے شرح صدر مراد ہے۔ یہ بڑا عجیب موقف ہے۔ تیرہ صدیوں تک علماء شق صدر اور شرح صدر میں فرق نہ کرسکے۔ یہ کیسے ممکن ہے ؟

شق صدر کی روایات کو مسلم' ابوداؤد طیالسی' احمد بن حنبل' طبرانی' زرقانی' بیہقی' عسقلانی' ابن سعد' ابن ہشام اور سیوطی نے اپنی اپنی کتب میں ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد سرسید احمد خان کا یہ کہنا کہ "یہ سب روایات ناقابل اعتبار' اور بے ہودہ افسانے ہیں" (۲۳) نہ صرف یہ کہ ایک بے بنیاد اور بے دلیل بات ہے بلکہ غیرشائستہ انداز فکر و تحریر ہے۔ علمی طور پر سرسید احمد خاں کے قدوقامت کو ان مذکورہ بالا افراد میں سے کسی ایک کے برابر بھی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ چہ جائے کہ ان سب کی معتمد روایات پر سرسید احمد خاں کی بے دلیل بات کو ترجیح دی جائے۔

کتابت احادیث کے بارے میں یہ لکھنا کہ "دو سو برس بعد کتابت حدیث شروع ہوئی" (۲۴) بڑی بچگانہ سی بات ہے۔ مولانا محمد اسماعیل ندوی نے اس ضمن میں اپنی ناقدانہ رائے کا اظہار اس طرح کیا:

> سرسید احمد میں دو بڑی خامیاں بھی تھیں' جس نے ان کے پورے علم کلام اور اسلامی لٹریچر کی دینی و علمی قدر و قیمت میں بہت کمی پیدا کر دی۔ ایک تو اسلامی علوم میں ان کی بے بضاعتی اور قلت مطالعہ اور دوسری یہ کہ خود مغربی علوم سے ان کی براہ راست ناواقفیت اور سنی سنائی باتوں پر اعتماد اور بھروسہ' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے مستشرقین کے بالمقابل جو دلیلیں دیں' وہ علمی اعتبار سے اتنی پھسپھسی ثابت ہوئیں کہ

موجودہ زمانے میں اہل نظر انہیں دیکھ کر ہنس پڑیں۔ مثلاً " تدوین حدیث کے بارے میں یہ لکھنا کہ امام بخاری کے دور تک عربوں میں لکھنے پڑھنے کا رواج نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا کتاب حدیث کا باقاعدہ آغاز دوسری صدی ہجری کے بعد ہوا" (۲۵)

یہ کہنا تو شاید مبالغہ ہو کہ سرسید احمد نے اپنی کتاب کی بنیاد سنی سنائی باتوں پر رکھی اور ان پر اعتماد کیا۔ البتہ اگر انتہائی محتاط طریقے سے بھی بات کی جائے تو یہ کہنا حقیقت کے خلاف نہ ہوگا کہ ولیم میور اور مستشرقین کے مقابلے میں ان کا رویہ معذرت خواہانہ ہے۔

"الخطبات الاحمدیہ" ایک مربوط اور باقاعدہ سوانح عمری کے بجائے بارہ مختلف مضامین کا مجموعہ ہے۔ اگرچہ ان تمام مضامین اور مقالات کا تعلق سیرت ہی سے ہے۔ بالواسطہ یا بلاواسطہ۔ یہی وجہ ہے کہ مصنف نے اس کا نام سیرت کے بجائے خطبات رکھا۔

رحمتہ للعالمینؐ:

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری (م: ۱۹۳۰ء) کی تصنیف رحمتہ للعالمین کا تعلق بیسویں صدی کے ربع اول سے ہے۔ یہ تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کی پہلی جلد ۱۹۱۲ء میں، دوسری جلد ۱۹۲۱ء میں، اور تیسری جلد مصنف کے انتقال کے بعد ۱۹۳۳ء میں شائع ہوئی۔

قاضی محمد سلیمان منصور پوری کا اپنا بیان ہے :-

"سالہا سال سے یہ آرزو تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک پر تین کتابیں لکھوں۔

۱: مختصر ۲: متوسط ۳: مفصل"۔ (۲۶)

مختصر کتاب انہوں نے "مہر نبوت" کے نام سے لکھی۔ یہ پہلی بار ۱۸۹۹ء میں شائع ہوئی۔ یہ کم و بیش پچاس صفحات پر مشتمل ہے۔ زبان عام فہم ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بچوں کے لئے لکھی ہے۔ ۲۳ سالہ دور نبوت کا خلاصہ ہے اور حضور علیہ السلام کی سیرت کے تمام پہلوؤں کو انتہائی اختصار کے ساتھ، آسان انداز میں بیان کیا ہے۔

متوسط کتاب کو انہوں نے "رحمتہ للعالمین" کے نام سے موسوم کیا۔ اپنی خواہش اور آرزو

کے مطابق سیرت پاک پر مفصل کتاب نہ لکھ سکے۔ رحمتہ للعالمین کی تیسری جلد لکھنے کے بعد قاضی صاحب حج کے لئے تشریف لے گئے اور واپسی پر جہاز ہی میں ان کا انتقال ہوگیا۔ آپ کے انتقال کے بعد ایک عرصے تک یہ مسودہ آپ کے سامان میں بند رہا۔ پھر سید سلیمان ندوی نے تلاش کرکے اسے شائع کرایا۔ خود سید سلیمان ندوی کا اپنا بیان ہے:

"آج سے بیس سال پہلے کا واقعہ ہے کہ مولانا شبلی مرحوم نے اپنی سیرۃ نبویؐ کی تجویز اہل ملت کے سامنے پیش کی تھی۔ اس کے جواب میں ہر طرف سے تائید کی آوازیں بلند ہوئیں۔ صرف ایک آواز مخالفت میں اٹھی۔ یہ مولوی انشاء اللہ خان مرحوم، ایڈیٹر "وطن" لاہور کی آواز تھی۔ انہوں نے لکھا کہ قاضی محمد سلیمان صاحب چونکہ اس کے لکھنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ اس لئے مولانا شبلی کو تکلیف کی ضرورت نہیں۔ (۲۷) اس کے بعد خاموشی سے بیس برس گزر گئے اور دونوں مصنفون کی تصنیوں کی کئی جلدیں ارباب شوق کے سامنے پیش ہوئیں اور دونوں نے قبولیت کی عزت پائی۔ پھر کس کو خیال آسکتا تھا کہ یہ دونوں مصنف آگے پیچھے اس دنیا کو خیرباد کہیں گے اور ان دونوں کے بعد ایک تیسرا شخص آئے گا جو فیوض و برکات کے ان دو مختلف سوتوں کو ملا کر ایک چشمہ بنا دے گا۔ خدا کے سامنے میں اس کی دی ہوئی اس عزت پر نازاں ہوں کہ اس نے بزرگوں کے متروکات کی تکمیل کی سعادت میرے حصہ میں رکھی"۔ (۲۸)

"مہر نبوت" اور "رحمتہ للعالمین" کے علاوہ قاضی صاحب کی دو کتابیں اور ہیں۔ جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی اجمال واختصار کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔

۱۔ بدرالبدور، یہ بنیادی طور پر شرکائے بدر کا تذکرہ ہے۔ مگر ان میں نبی علیہ السلام سرفہرست ہیں۔ اس لئے آپؐ کے ذکر جمیل سے ابتداء کی گئی ہے۔ ۲۔ دوسری کتاب "سید البشر" ہے۔ یہ سیرۃ النبیؐ کے موضوع پر قاضی صاحب کی چار تقریروں کا مجموعہ ہے۔ اسے ان کے ہم وطن قاضی ابوالفضل حبیب الرحمٰن طارق نے مرتب کرکے مصنف کی وفات کے پندرہ سال بعد ۱۹۴۵ء میں شائع کیا۔ (۲۹)

مہر نبوت، بدرالبدور اور سید البشر، اپنی اپنی جگہ اہم سہی، لیکن قاضی صاحب کے عشق رسولؐ کا مظہر، اور علم و تحقیق کی اصل جولان گاہ ان کی تصنیف "رحمتہ للعالمین" ہے، جسے انہوں

نے کامل علمی دیانت اور مورخانہ احتیاط کے ساتھ لکھا ہے۔ اس کتاب کے بارے میں ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں :-

"اہل خبر آگاہ ہیں کہ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھنا کس قدر مشکل کام ہے۔ اگر ذرہ مقدار خورشید جہاں افروز کے نور گیتی آراء کا کیال بن سکتا ہے تو مجھ سے بے بضاعت کثیر الاشغال بھی' جس کا اس راہ میں کوئی یارومددگار نہیں' درست طور پر کچھ لکھ بھی سکتا ہے ـــ لیکن ایک فرض کا احساس ہے کہ سکوت پر غالب آگیا ہے اور درد محبت ہے' جس نے بے حس قلب کو تڑپا دیا ہے۔ توفیق الٰہی ہے جو برابر اس کام پر مجھے لگائے رکھتی ہے۔ جذبہ ربانی ہے جس کی کشش اس طریق حق پر لئے جاتی ہے" (۳۰)

اس فرض شناسی' توفیق الٰہی اور جذبہ صادق نے ان سے ایک ایسی کتاب لکھوائی جو سیرت رسولؐ پر اردو میں نہ صرف ایک جامع اور مفصل کتاب ہے بلکہ استناد کے بھی اونچے مقام پر فائز ہے۔

"رحمتہ للعالمین" کی پہلی جلد ایک مقدمہ اور پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ مقدمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مورث اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ کے حالات سے آغاز کرکے آپ کے اجداد کا مختصر تذکرہ کیا گیا ہے۔ پھر عہد جاہلیت کے عرب کا نقشہ کھینچنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی برکات اور سیرت نبویؐ کی خصوصیات گنوائی گئی ہیں۔ پھر انبیاء کی صفات سے آپ کی صفات کا موازنہ کرکے آپ کی شان نبوت پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کے بعد اصل کتاب کا آغاز ہوتا ہے۔

پہلا باب

میثاق مدینہ' غزوات کی ابتداء' غزوہ بدر' غزوہ احد' غزوہ احزاب' فتح مکہ' غزوہ تبوک' اسیران جنگ سے نبی علیہ السلام کا حسن سلوک۔

دوسرا باب

سربراہان مملکت کے نام دعوتی خطوط، دعوت اسلام کے لئے مختلف قبیلوں اور بادشاہوں کی طرف سفارشیں۔

تیسرا باب

ان وفود کے حالات جو فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کرنے کے لئے مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔

چوتھا باب

مدنی زندگی کے اہم واقعات مثلاً "مسجد نبویؐ کی تعمیر، سلسلہ مواخاۃ، تحویل قبلہ، فرضیت زکوٰۃ، فرضیت صوم، صلح حدیبیہ، حجتہ الوداع، وصال

پانچواں باب

نبی علیہ السلام کے اخلاق حسنہ کا بیان، قرآن حکیم کی تعلیمات

"رحمتہ للعالمین" کی دوسری جلد آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔

کتاب کی ابتداء میں مصنف نے وضاحت کی ہے کہ "دوسری جلد ایسے مضامین پر مشتمل ہے جنہیں اکثر سیرت نگار کتاب کے اول حصے میں جگہ دیا کرتے ہیں۔ مگر میں نے جلد اول میں ایسے اہم اور بنیادی مضامین کو جمع کیا کہ اگر بقیہ جلدیں نہ لکھ سکوں، یا وہ شائع نہ ہوسکیں تب بھی وہ نقش ناتمام کی صورت میں ادھورا اور ناممکن نظر نہ آئے"۔ چنانچہ دوسری جلد میں، پہلی جلد کے بعض مضامین کی توضیح و تشریح ہے اور بعض نئے مباحث ہیں۔ ابواب کی تفصیل اس طرح ہے:۔

پہلا باب

نبی علیہ السلام کا شجرۂ نسب، شجرۂ طیبہ کی تحقیق میں مصنف نے بڑی محنت کی ہے اور بعض ایسی معلومات جمع کی ہیں جو سیرت لٹریچر میں نوادر کا درجہ رکھتی ہیں۔

دوسرا باب

امہات المومنین رضوان اللہ علیہن کے مبارک تذکرے کے لئے وقف ہے۔

تیسرا باب

غزوات و سرایا۔ ہر غزوہ کا الگ بیان' لشکر اسلام اور دشمن کی تعداد' حربی قوت کا موازنہ' اس باب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ فاضل مصنف نے حضور علیہ السلام کی دس سالہ مدنی زندگی میں ہونے والے جہاد کا موازنہ پہلی جنگ عظیم سے کیا ہے۔ مہابھارت اور یورپ کی مقدس جنگوں میں جو جانی نقصان ہوا' اس کا بھی ذکر ہے۔ غزوات و سرایا کے شہداء کی فہرستیں بھی شامل کی ہیں۔

چوتھا باب

اس باب میں عیسائیوں کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن حکیم میں بیان کئے گئے قصے اور واقعات ایک عیسائی عالم سے سن کر اپنی زبان میں ڈھال لئے تھے۔ اس بات کا بھی جواب دیا کہ مشرکین عرب پچھلے انبیاء اور ان کی قوموں کے حالات کو اساطیرالاولین (پچھلے لوگوں کے غیرحقیقی قصے کہانیاں) کہتے تھے۔

مصنف نے یہ ثابت کیا کہ قرآن حکیم کی تعلیم دوسری آسمانی کتابوں سے کہیں زیادہ اعلیٰ وارفع ہے۔

پانچواں باب

سید المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام انبیاء پر فضیلت ظاہر وثابت کی گئی ہے۔

چھٹا باب

یہ باب نبی علیہ السلام کی سب سے بڑی' اور جامع صفت "رحمتہ للعالمین" کے لئے مخصوص ہے۔ قرآن حکیم کی آیت سے ثابت کیا ہے کہ آپ کی ذات اقدس تمام دموں' تمام زمانوں اور تمام جہانوں کے لئے سراپا رحمت و رافت ہے۔

ساتواں باب

اس کا مرکزی موضوع "حب النبی صلی اللہ علیہ وسلم" ہے۔ اس باب میں یہ بات ثابت کی ہے کہ پوری کائنات اور نسل انسانی میں نبی علیہ السلام سے زیادہ کسی اور ذات اور شخصیت سے محبت نہیں کی گئی۔ آپؐ سے بڑھ کر کوئی بھی محبوب خلائق، محبوب ملائک اور محبوب خدا نہیں ہوا۔

آٹھواں باب

واقعات سیرت کو قلم بند کرتے وقت مصنفین کو یہ بہت بڑی دشواری پیش آتی ہے کہ دن اور تاریخ میں تطابق نہیں ہوتا۔ کبھی دن صحیح ہوتا ہے اور تاریخ غلط ہو جاتی ہے اور کبھی تاریخ صحیح ہوتی ہے تو دن غلط ہو جاتا ہے۔ قاضی صاحب نے ہجری سنہ اور تاریخ میں تطابق پیدا کرنے اور معلوم کرنے کا طریقہ بتایا ہے اور باقاعدہ جدولیں بنا کر اسے آسان کر دیا ہے۔

رحمتہ للعالمینؐ کی تیسری جلد تین ابواب پر مشتمل ہے۔ تیسری جلد کے تینوں ابواب انتہائی اہم بھی ہیں اور طویل بھی۔ پہلی دو جلدوں کی طرح تیسری جلد بھی ایڈیشنوں کے اختلافات کے باوجود چار سو صفحات سے زائد پر مشتمل ہے۔ لیکن صرف تین ابواب پر حاوی ہے۔

پہلے باب کا عنوان "خصائص النبی" دوسرے باب کا عنوان "خصائص القرآن" اور تیسرے باب کا عنوان "خصائص الاسلام" ہے۔ گویا اس جلد کا موضوع اسلام، پیغمبر اسلام اور قرآن کے امتیازی خصائص ہیں۔

علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں :۔

"پیش نظر حصہ کہنے کو خصائص محمدیؐ کے بیان میں ہے، مگر درحقیقت اس میں اسلام کے ان امتیازات اور خصوصیات کا خاکہ ہے جس کی بنا پر اس کو "دین کامل" کا خطاب ملا۔ اسی طرح اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ فضائل و محامد درج ہیں جن کی بنا پر آپؐ کو خاتم النبیینؐ اور مکمل دین کا پرفخر خطاب باری تعالیٰ سے عطا ہوا ہے۔ مصنف کے دلائل ایسے دل نشین اور طرز ادا ایسا متین ہے کہ اس کی یہ تصنیف ہر

صاحب ذوق کے لئے باعث تسکین ہو سکتی ہے۔ زمانہ حال نے خیالات میں جو تغیر اور طریق تبلیغ میں انقلاب پیدا کیا ہے' مصنف مرحوم نے اس کی پوری طرح نگہداشت کی ہے اور اسلام اور پیغمبر اسلام کے وہ تمام امتیازات و محاسن جو اس دور میں کسی حیثیت سے بھی پیش کرنے کے لائق تھے مرحوم نے ان کا پورا احاطہ کیا ہے' اور کہیں سے کوئی کار آمد نکتہ نہیں چھوڑا"۔ (۳۱)

ناچیز کی رائے میں رحمتہ للعالمینؐ کی تیسری جلد' بلکہ یوں کہئے کہ پوری کتاب کا انتہائی اہم باب خصائص النبیؐ کا ہے۔ پہلی اور بنیادی بات یہ ہے کہ عربی میں متقدمین کی چند کتابیں اس موضوع پر اگرچہ موجود ہیں مگر سیرۃ النبیؐ پر جو کتابیں لکھی گئیں اور جن میں پوری سیرۃ رسولؐ کو بیان کرنے کی کوشش کی' ان میں یہ موضوع یا تو سرے سے ہے ہی نہیں اور اگر ہے تو بہت اجمال واختصار کے ساتھ۔ اردو میں لکھی جانے والی کتب سیرت میں عام طور پر اس موضوع کو شامل نہیں کیا جاتا۔ بعض کتب سیرت میں اگر ہے تو بہت مجمل و مختصر جیسے علامہ شبلی نعمانی کی سیرۃ النبیؐ اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی سیرت المصطفیٰؐ میں۔ اردو میں اس موضوع پر مستقل کتابیں بھی نہیں ہیں۔

رحمتہ للعالمینؐ اردو میں لکھی جانے والی (سیرت کے موضوع پر) پہلی کتاب ہے جس میں خصائص النبیؐ کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے' اور اس بحث کا خصوصی امتیاز یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کے خصائص کا استنباط زیادہ تر قرآنی آیات سے کیا ہے کیونکہ اللہ سے بڑھ کر حضور علیہ السلام کے خصائص نہ کوئی جانتا ہے' اور نہ جان سکتا ہے۔ مصنف نے اس باب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصے میں وجود گرامی کی بحث ہے' اور دوسرے حصے میں خصائص نبوت کا تذکرہ ہے اور آخر میں اسمائے مبارکہ میں سے چند اسمائے عالیہ لکھ کر باب کو ختم کر دیا ہے۔

تاریخ و سیرت نگاری کا یہ بنیادی اصول ہے کہ موضوع سے متعلق جس قدر کتابیں دستیاب ہوں' ان کا بے لاگ مطالعہ کیا جائے اور ان میں سے صرف وہی واقعات اخذ کئے جائیں جو معیار تحقیق پر پورے اتریں۔ "رحمتہ للعالمینؐ" کی تالیف کے وقت قاضی صاحب نے یہی اصول سامنے رکھا ہے۔ انہوں نے نہ تو عقیدت کے آبگینوں کو ٹھیس لگنے دی ہے اور نہ حقائق کو مسخ کیا ہے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی محبت و شیفتگی برقرار رکھتے ہوئے کتب

تاریخ و سیر میں سے صرف ایسے واقعات چنے ہیں جو ہر لحاظ سے مستند ہیں۔ مراجع و مصادر کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ قاضی صاحب نے صرف اسلامی علوم پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ غیرمذاہب کی مقدس کتابوں کی بھی ورق گردانی کی ہے اور یہودیوں' عیسائیوں اور ہندوؤں کی مذہبی کتابوں سے بھی مضبوط شواہد بہم پہنچا کر حضور اکرمؐ کی عظمت پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔

بقول سید سلیمان ندوی:۔

"رحمتہ للعالمینؐ کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ مصنف کے ذوق کے مطابق سوانح اور واقعات کے ساتھ غیرمذاہب کے اعتراضات کے جوابات اور دوسرے صحائف آسمانی کے ساتھ موازنہ اور خصوصیت سے یہود و نصاریٰ کے دعاوی کا ابطال بھی اس میں جابجا موجود ہے۔ مصنف مرحوم کو توراۃ اور انجیل پر مکمل عبور حاصل تھا اور عیسائیوں کے مناظرانہ پہلوؤں سے جامع پوری واقفیت تھی۔ اسی بنا پر ان کی یہ کتاب ان تمام معلومات کا جامع خزانہ ہے" (۳۲)

قاضی سلیمان منصور پوری نے جس کتاب کا ایک ایک لفظ پڑھا ہے' وہ بائیبل ہے۔ اس کے ثبوت میں وہ بے شمار حوالے پیش کیے جاسکتے ہیں جو "رحمتہ للعالمینؐ" کی تینوں جلدوں میں بکھرے ہوئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اثبات کے لئے انہوں نے اس کتاب کا ورق ورق کنگھالا' اس لئے کہ صرف یہی کتاب عیسائی پادریوں کے لئے قابل حجت تھی۔ یوں بھی عہدنامہ قدیم و جدید (یعنی تورات' زبور' انجیل اور دیگر صحائف آسمانی) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جابجا بشارات موجود تھیں اور ان سے قرآن مجید' احادیث اور کتب سیر کے بیانات کی تصدیق ہوتی تھی۔ چنانچہ "رحمتہ للعالمینؐ" میں ابتداء سے ہی یہودیوں اور عیسائیوں کی اس مذہبی کتاب کے حوالے سے شروع ہو جاتے ہیں۔

قاضی صاحب جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کوئی واقعہ لکھتے ہیں تو اس کی تائید کے لئے ویسا ہی حوالہ بائیبل سے ڈھونڈ نکالتے ہیں۔ مثلاً "رحمتہ للعالمینؐ" کے پہلے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے بارے میں لکھتے ہیں "دادا نے آنحضرتؐ کا نام محمدؐ اور ماں نے خواب میں ایک فرشتے سے بشارات پاکر احمدؐ رکھا تھا" اور فٹ نوٹ میں واضح کرتے ہیں کہ "سیدہ آمنہ بی بی کو نام رکھنے کی بشارت فرشتے کی معرفت ایسے ہی ملی تھی جیسے کہ

فرشتے کی بشارت سے ہاجرہ بی بی نے اسمٰعیل کا نام (پیدائش ۱۱/۶) اور مریم نے یسوع کا نام (لوقا اول باب ۳۱ ورس) رکھا تھا" (۴۳)

بائبل سے غیر معمولی شغف کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ قاضی صاحب نے سیرت رسولؐ کے اصل منابع یعنی قرآن حکیم، کتب حدیث، کتب سیرو مغازی، اور کتب شمائل کو نظرانداز کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سرسید احمد خان کے بعد، ان سے زیادہ قابلیت اور جامعیت کے ساتھ اردو کتب سیرت میں قاضی صاحب نے سیرت رسولؐ کے بنیادی مراجع اور منابع تک رسائی حاصل کی ہے۔

"رحمتہ للعالمینؐ" کے بعض تبصرہ نگاروں نے یہ بات کہی کہ "قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری سرسید احمد سے متاثر نظر آتے ہیں"۔

میں یہ عرض کرنے کی اجازت چاہوں گا کہ یہ بات نہ صرف بے دلیل ہے بلکہ بڑی عجیب سی معلوم ہوتی ہے۔ سرسید احمد خان اور قاضی صاحب کا نقطہ نظر واضح طور پر ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ سرسید احمد خان معجزات کے قائل نہیں ہیں جب کہ قاضی صاحب نے "رحمتہ للعالمینؐ" کی جلد سوم میں پوری ایک فصل ان کے لئے وقف کی ہے۔ سرسید شق صدر اور شق قمر کو نہیں مانتے، لیکن قاضی صاحب نے ان کے حق میں دلائل دیئے ہیں۔ سرسید معراج کو محض رویا تصور کرتے ہیں جبکہ قاضی صاحب کا ایمان ہے کہ معراج کا واقعہ عالم بیداری میں اور جسم و روح کے ساتھ ہوا تھا۔ سرسید مغرب سے مرعوب ہیں اور ہر اس بات کا انکار کر دیتے ہیں یا تاویل سے کام لیتے ہیں جو یورپ کے نظریہ عقلیت، نظریہ فطرت، نظریہ تہذیب و تمدن اور نظریہ ارتقاء کے خلاف ہو، لیکن قاضی محمد سلیمان منصور پوری عقائد کے معاملے میں کسی رو رعایت کے قائل نہیں۔ سرسید تمام مشہور سیرت نگاروں (مثلاً ابن اسحٰق، ابن ہشام، واقدی، طبری، الشامی، ابو الفدا، مسعودی اور قسطلانی) کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک ان کی کتابیں سچی جھوٹی، صحیح اور غلط حدیثوں کا ملغوبہ ہیں ----- مگر قاضی سلیمان صاحب کے ہاں ان سب کی نہ صرف روایات موجود ہیں بلکہ ان کی حیثیت ان کے نزدیک مستند ماخذ کی ہے۔

رحمتہ للعالمین کے بارے میں مولانا حسن مثنٰی ندوی نے جو تبصرہ کیا ہے، وہ خاصا جامع ہے، ان کی نظر میں رحمتہ للعالمین مذکورہ ذیل خصوصیات کی حامل ہے:

۱۔ (یہ کتاب) پوری عالمانہ تحقیق سے لکھی گئی ہے (اور) جو روایت جہاں سے لی ہے، وہاں حاشیئے پر اس کا پورا حوالہ بھی درج ہے۔

۲۔ تمام واقعات جو سیرت سے متعلق ہیں، سنہ وار ترتیب سے لکھے گئے ہیں

۳۔ جہاں کوئی عمدہ نتیجہ مستنبط ہو سکتا ہے اور عملی زندگی سے اس کا کوئی تعلق ہے وہ بھی لکھ دیا گیا ہے۔

۴۔ بائیبل سے ہر جگہ استناد کر کے اہل کتاب پر حجت قائم کی گئی ہے۔

۵۔ زبان اردو ہر جگہ معیاری تو نہیں، لیکن لب و لہجہ اتنا متین، سنجیدہ اور پر اثر ہے کہ مخالف پڑھنے والا بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مناظرانہ اور متشددانہ انداز سے پرہیز کیا گیا ہے۔

۶۔ مصنف نے اس کے صفحات پر دماغ کے ساتھ دل کے ٹکڑے بھی رکھ دیئے ہیں۔ ایک ایک لفظ سے عشق نبویؐ اور حب انسانیت نمایاں ہے۔

۷۔ مصنف اپنے دور کی تمام جدید تحریکات اور عملی و تحقیقی اقدار سے بھی واقف ہے اور جا بجا اسلامی اقدار و احکام سے ان کا مقابلہ کرتا جاتا ہے۔ نبوی غزوات، نظام زکوۃ، قانون طلاق وغیرہ کا ذکر آتا ہے تو وہ صرف ان کا ذکر کر کے آگے نہیں بڑھ جاتا بلکہ وہیں متن میں یا حاشیئے پر ایسے اسلوب سے بحث کرتا ہے کہ پڑھنے والے کے تمام شکوک خود بخود رفع ہوتے چلے جائیں، خواہ وہ کسی قوم اور کسی فرقے سے تعلق رکھتا ہو۔

۸۔ تفحص و جستجو کا یہ عالم ہے کہ غزوہ احد میں جس انصاری خاتون کے چار اعزا (شوہر، فرزند، باپ اور بھائی) شہید ہوئے اور اس نے کوئی پروا نہ کی، اس کا نام تلاش کرنے کے لئے انصار کے تمام انساب کو چھان مارا اور بالآخر اس خاتون کا نام "ھند" تلاش کر ہی لیا۔ ارباب تاریخ و سیر نے قاضی صاحب سے پہلے اس خاتون کا نام کہیں درج نہیں کیا تھا۔

مولانا حسن مثنی ندوی کی اس رائے سے میں اتفاق نہیں کروں گا کہ: "اردو زبان ہر جگہ معیاری نہیں"۔ رحمتہ للعالمین کی زبان کو اس زبان کے آئینے میں دیکھئے جو بیسویں صدی کے ربع اول میں تھی۔ اس دور کے اعتبار سے یقیناً اس کی زبان معیاری ہے۔ ایک ہی دور میں، ایک ہی موضوع پر لکھنے والوں کے طرز مختلف ہوتے ہیں۔

اس میں دیکھنا صرف یہ ہوتا ہے کہ زبان علمی ہو ' اور پڑھنے والا پیچیدگی اور اکتاہٹ محسوس نہ کرے ۔ اگر بنیادی طور پر کسی تحریر میں یہ دو صفتیں موجود ہیں تو بلاشبہ وہ تحریر معیاری ہے ۔ ان کی تحریر میں ایک سوانح نگار کی سی عقیدت مندی ' مورخ کی سی بے تعصبی ' ایک عالم اور محقق کا سا وقار ' اور ایک مومن صادق کا سا انکسار ہے ۔

بہرکیف رحمتہ للعالمین اردو میں لکھی جانے والی ایک مکمل سیرت رسول ہے اور اردو کے سیرت لٹریچر میں ایک جامع ' اور مستند کتاب کا درجہ رکھتی ہے ۔

سیرۃ النبی :

اردو میں سیرت کے موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں ایک انتہائی اہم اور ضخیم کتاب علامہ شبلی نعمانی (: ۱۹۱۴ء) ' اور علامہ سید سلیمان ندوی (م : ۱۹۵۳ء) کی مشترکہ تصنیف " سیرۃ النبی " ہے ۔ جو چھ ضخیم جلدوں ' اور ایک مختصر (ساتویں) پر مشتمل ہے ۔ اس کی ابتدائی دو جلدیں علامہ شبلی نعمانی کے قلم سے ہیں ' اور باقی پانچ جلدیں ان کے شاگرد رشید سید سلیمان ندوی نے ان کی وفات کے بعد لکھیں ۔

سیرۃ النبی کی پہلی جلد ۱۹۱۸ء میں (شبلی نعمانی کی وفات کے کم و بیش چار سال بعد) دوسری جلد ۱۹۲۰ء میں ' تیسری جلد ۱۹۲۴ء میں ' چوتھی جلد ۱۹۳۲ء میں ' پانچویں جلد ۱۹۳۵ء میں ' اور چھٹی جلد ۱۹۳۸ء میں شائع ہوئی ۔

ساتویں جلد طویل وقفہ کے بعد ۱۹۸۰ء میں شائع ہوئی ۔ چھٹی اور ساتویں جلد کی طباعت کے درمیان بیالیس سال کا طویل وقفہ حائل ہوا ۔ اور اس طرح یہ جلد مصنف یعنی سید سلیمان ندوی کی وفات کے ستائیس برس بعد طبع ہوئی ۔

اردو کتب سیرت میں سیرۃ النبی ایک ممتاز مقام کی حامل ہے ۔ اس کے بارے میں منشی محمد امین زبیری کے نام ایک خط میں خود شبلی نعمانی نے یہ لکھا ہے کہ : "اگر میں مر نہ گیا ' اور میری ایک آنکھ بھی سلامت رہی تو انشاء اللہ دنیا کو ایک ایسی کتاب دے جاؤں گا جس کی توقع کئی سو برس تک بھی نہیں کی جا سکے گی" (۳۴)

بدقسمتی سے موت نے انہیں اتنی مہلت نہ دی کہ وہ خود اس کتاب کو مکمل کر سکتے ۔ لیکن

ابتدائی دو جلدیں انہوں نے جس محنت ' دقت نظر' حسن استدلال ' اور ادبی شان سے لکھیں ' اس کی مثال سیرت کے اردو لٹریچر میں نظر نہیں آتی ۔

سید سلیمان ندوی نے شاگردی کا حق خوب ادا کیا ' اپنے استاد محترم کی عمر بھر کی محنت کو ضائع ہونے سے بچا لیا ' اور اپنی علمی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے استاد کے عظیم الشان ' مگر نامکمل سیرتی منصوبہ کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں :

" سیرت النبی کے موضوع پر ایک جامع اور ضخیم کتاب لکھنے کا احساس علامہ شبلی کو اس وقت ہوا جب ۱۹۰۵ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر مارگولیتھ نے سیرت میں ایک کتاب لکھی ' کتاب بلاشبہ محنت سے لکھی ' اور اکثر حوالے کتب احادیث سے دیئے لیکن اس کے باوجود کتاب بڑی زہرناک تھی ' انگریزی تعلیم یافتہ اس کے تحقیقی انداز سے بہت متاثر ہو رہے تھے ۔ اس تاثر کا اظہار سب سے پہلے ایک ایسے شخص نے کیا جو اس دور میں جدید تعلیم کا سب سے مایہ ناز فرزند گردانا گیا ۔ یعنی مولانا محمد علی جوہر مرحوم" (۳۵)

مولانا محمد علی جوہر نے ۱۹۰۶ء میں ایک ملاقات کے دوران ' جو بڑودہ میں ہوئی ۔ علامہ شبلی کو اس طرف توجہ دلائی ' اور کہا : آپ سیرت نبوی پر ایک ایسی جامع کتاب لکھنے کا اہتمام کیوں نہیں کرتے جس میں دشمنان اسلام کے ' اسلام اور پیغمبر اسلام پر حملوں کا جواب دیا جائے ؟ اس ملاقات اور سیرۃ النبی کی تالیف کا باقاعدہ اعلان کرنے کے درمیان تقریباً" چھ سال کا وقفہ ہے ۔ علامہ نے جنوری ۱۹۱۲ء میں سیرۃ النبی کی تالیف کے عزم کا اعلان کیا ۔ علامہ نے اپنے اس عزم کا اظہار ان الفاظ میں کیا :

" دور جدید میں سیرت پر کوئی جامع کتاب لکھنے کے لئے باقاعدہ ایک محکمہ تصنیف و تالیف کی ضرورت تھی جس میں نہ صرف عربی دان بلکہ مغربی زبانیں جاننے والے فضلاء شامل ہوتے' جو عربی مصادر کے سارتھ ساتھ اسلام اور بانی اسلامؐ کے بارے میں مستشرقین کی کتابوں میں سے ضروری حصے اردو زبان میں منتقل کر سکتے۔ جب یہ دشواریاں ایک ایک کر کے ختم ہو گئیں تو جنوری ۱۹۱۲ء میں مولانا نے سیرت النبیؐ کی

تالیف کے عزم کا اعلان کر دیا۔ یہ اعلان رسالہ "الندوہ" میں شائع ہوا اور بعد ازاں "مقالات شبلی" کا جزو بنا۔ اس میں انہوں نے لکھا ہے : "سیرۃ نبویؐ کی ضرورت اس لحاظ سے اور بڑھ جاتی ہے کہ قوم میں جدید تعلیم وسعت سے پھیلتی جاتی ہے اور یہی جدید تعلیم یافتہ گروہ ایک دن قوم کی قسمت کا مالک ہو گا۔ یہ گروہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی اگر جاننا چاہتا ہے تو اردو میں کوئی مستند کتاب نہیں ملتی اس لئے اسے چار و ناچار انگریزی تصنیفات کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے جن میں یا تعصب کی رنگ آمیزیاں ہیں یا ناواقفیت کی وجہ سے ہر موقع پر غلطیاں ہیں ——— میں ایک مدت سے ان باتوں کا احساس کر رہا تھا لیکن اس بناء پر قلم اٹھانے کی جرات نہیں ہوتی تھی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات میں ایک حرف بھی صحت کے معیار سے ذرا اتر جائے تو سخت جرم ہے ——— قوم کی طرف سے ایک مدت سے تقاضا ہے کہ میں سب کام چھوڑ کر سیرۃ نبویؐ کی تالیف میں مصروف ہو جاؤں۔ خود میں بھی اپنی پہلی رائے سے رجوع کر چکا ہوں اور اس شدید ضرورت کو تسلیم کرتا ہوں"۔ (۳۶)

علامہ نے سیرت النبی کی تالیف کا آغاز بمبئی میں کیا، ۱۹ جون ۱۹۱۲ء کے ایک خط سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے ۱۳ جون (۱۹۱۲ء) سے باقاعدہ کام شروع کر دیا تھا۔ علامہ کے خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ ۳۱ مارچ ۱۹۱۳ء تک مسودہ فتح مکہ اور غزوہ حنین کے بیان تک پہنچ چکا تھا۔ اکتوبر ۱۹۱۳ء میں پہلی جلد کا مسودہ پایہ تکمیل تک پہنچا۔ اسی مہینے سید حسین بلگرامی کے دعوت پر حیدر آباد دکن چلے گئے، وہاں سے منشی محمد امین زبیری کے نام خط لکھا، جس میں یہ وضاحت کی کہ : کتاب کا پہلا حصہ جس میں سادہ حالات زندگی ہیں، تیار ہو گیا ہے۔ اگرچہ اس میں نہایت کدو کاوش اور تمام کتب حدیث و رجال کی چھان بین کرنی پڑی۔ تاہم اصلی مرحلے آگے ہیں۔ کتاب پانچ جلدوں میں ہو گی۔ جو حصہ تیار ہے وہ پانچ سو صفحات میں ہے، پوری کتاب کو اس سے چار گونا کر لیجئے"۔(۳۷)

سید سلیمان ندوی کے بقول جون ۱۹۱۴ء تک وہ مقدمہ بھی مکمل کر چکے تھے جو فن مغازی و سیر کی تاریخ اور اسلامی فن درایت کے اصول پر مشتمل ہے۔ (۳۸)

۲۹ اگست ۱۹۱۴ء میں علامہ کے بھائی محمد اسحاق کی وفات نے علامہ کو بالکل ہی نڈھال کر دیا ' بیمار تو وہ پہلے ہی سے تھے ۔ خود علامہ نے مولانا حمید الدین فراہی کے نام (۴ اکتوبر ۱۹۱۴ء) ایک خط میں بڑی حسرت سے لکھا کہ : سیرت کے پورا ہونے کی کوئی امید نظر نہیں آتی ۔ وفات سے تین دن پہلے ۱۵ نومبر ۱۹۱۴ء کو مولانا حمید الدین فراہی ' مولانا ابوالکلام آزاد ' اور مولانا سید سلیمان ندوی کو تار دے کر بلایا تاکہ انہیں سیرۃ النبی کا پورا منصوبہ سمجھا سکیں ۔

علامہ سید سلیمان ندوی تار پہنچنے سے پہلے ہی استاد کی خدمت میں حاضر ہو گئے ' اس وقت علامہ شبلی کی حالت بہت بگڑ چکی تھی ' قوت گویائی تقریباً" ختم ہو گئی تھی ۔ مگر اس حالت میں بھی ان کے دماغ میں صرف ایک ہی سودا تھا اور وہ یہ کہ سیرت مکمل ہو۔ استاد اور شاگرد کی یہ ملاقات بڑی رقت آمیز تھی۔ سید سلیمان ندوی اس کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں:

" میں سرھانے کھڑا تھا ' میری آنکھوں سے آنسو جاری تھے ' مولانا (شبلی) نے آنکھیں کھول کر حسرت سے میری طرف دیکھا ' اور دونوں ہاتھوں سے اشارہ کیا کہ :اب کیا رہا؟ پھر زبان سے فرمایا : اب کیا ' اب کیا ' میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا : "سیرت میری تمام عمر کی کمائی ہے ' سب کام چھوڑ کر سیرت تیار کرو" "میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا : ضرور ' ضرور" (۳۹)

سید سلیمان ندوی نے بستر مرگ پر آخری سانس لیتے ہوئے اپنے استاد سے جو وعدہ کیا تھا ' اسے انتہا درجے کے احساس ذمہ داری کے ساتھ پورا کیا ۔ مولانا شبلی اپنی امانت جس حالت میں چھوڑ گئے تھے ' سید سلیمان نے اس میں خیانت نہیں کی ۔ ہاں اگر کہیں حواشی یا حوالے چھوٹ گئے تھے تو وہ انہوں نے ڈھونڈ کر لکھے ' لیکن اس کی کامل احتیاط کی کہ جامع (سید سلیمان ندوی) کا کوئی حرف مصنف (شبلی نعمانی) کی عبارت میں نہ ملنے پائے ۔ جہاں کہیں اضافے کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ' وہاں قوسین کے ذریعے واضح کر دیا کہ کون سی تحریر استاد کی ہے اور کون سی شاگرد کی ۔ یہ اضافے " سیرت النبی" کی پہلی جلد میں کم ہیں اور دوسری جلد میں زیادہ ' اس لئے بقول شیخ محمد اکرام "دوسری جلد کو صرف مولانا شبلی کی نہیں بلکہ مولانا اور سید سلیمان کی مشترکہ تصنیف ہی سمجھا جا سکتا ہے" تاہم اس کا اہم حصہ (سوانح) مولانا شبلی کے اپنے قلم سے

ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا شبلی نعمانی اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے سے سید سلیمان ندوی کو ذہنی طور پر "سیرت النبی" کی تکمیل کے لئے تیار کر رہے تھے۔ سید صاحب کے نام مولانا کے خطوط سے نہ صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ سیرت کے مختلف اجزاء تحریر کرنے کے لئے ان کی رہنمائی کر رہے تھے بلکہ بعض متنازعہ فیہ مسائل پر غور و فکر کرنے اور صحیح نتائج تک پہنچنے کی تربیت بھی کر رہے تھے۔

سیرۃ النبی کی پہلی جلد میں دو مقدمات ہیں۔ پہلا مقدمہ فن سیرت نگاری کی ضرورت و اہمیت، آغاز و ارتقاء، روایت و درایت کے اصول، اور معروف تصانیف پر روشنی ڈالتا ہے۔ مصنف نے پہلے سیرت کی علمی حیثیت کو واضح کیا ہے، قدیم اہل علم نے سیرت نبوی کے متعلق جو سرمایہ فراہم کیا ہے، اس کی مختصر تاریخ بیان کی ہے۔ سیرت کا حدیث اور تاریخ سے کیا تعلق ہے۔ اس کو نمایاں کیا ہے۔ روایات کی چھان بین کے لئے درایت کے محدثانہ اصول سے بحث کی ہے۔ آخر میں مغربی مصنفین کی کتب سیرت پر مختصر تبصرہ، اور ان کی غلط بیانیوں کی نشان دہی اور تجزیہ کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ کوئی بھی مغربی مصنف سیرت رسول پر کتاب لکھ ہی نہیں سکتا۔

آخر میں تین صفحات میں ان اصول کا ذکر جن پر سیرۃ النبی کی بنیاد رکھی۔

دوسرے مقدمے میں عرب کی قدیم سیاسی، تمدنی، اور مذہبی تاریخ ہے، عرب کا جغرافیہ، قدیم تاریخ کے ماخذ، اقوام اور قبائل کے رہن سہن اور رسم و رواج کے بارے میں بنیادی معلومات۔ تعمیر کعبہ اور ذبح اسماعیل کا ذکر بھی ہے۔

بقول شاہ معین الدین احمد ندوی: یہ مقدمے اپنے ٹھوس علمی مباحث کے باعث مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتے ہیں"۔ (۴۰)

ان دونوں مقدمات کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلسلہ نسب، آبا و اجداد کا ذکر، ولیم میور کے اس دعوے کا جواب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے نہ تھے۔

ظہور قدسی کے عنوان سے آپ کی ولادت باسعادت کا ذکر جس انداز سے کیا ہے، وہ حصہ

یقیناً" اردو ادب کا بہترین نمونہ ہے۔

دوسری جلد میں قیام اما ' اور اشاعت اسلام کی کوششوں کا تذکرہ مختلف قبائل کے وفود کی آمد ' اور ان کا قبول اسلام ' مدینہ منورہ میں حکومت الہیہ کی تاسیس ' مرض الوفات اور وصال تک پیش آنے والے تمام اہم واقعات کا ذکر ' اس انداز سے جس سے آپ کی پیغمبرانہ صداقت اور اخلاقی عظمت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے ' اور مخالف بھی عقیدت و احترام سے سر جھکانے پر مجبور ہو جاتا ہے ۔

اس جلد میں سید سلیمان ندوی نے خاصے اضافے کئے ہیں ' اور جلد دوم کے دیباچے میں ان کا جواز پیش کرتے ہوئے لکھا ہے :

" مصنف مرحوم کی وفات کے بعد جب اس جلد کا تمام قلمی سرمایہ میرے ہاتھ آیا تو مجھے اس میں بہت سے ابواب کی کمی محسوس ہوئی جن کے اضافہ کے بغیر یہ جلد ناتمام نظر آتی تھی، لیکن مصنف کے مسودہ میں اضافہ کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ آخر کار مدت کے حیض بیض کے بعد میں نے طے کر لیا کہ ان کو لکھنا ہی چاہئے ۔ چند روز کے بعد مجھے اتفاقاً" مولانا کے ہاتھ کی ایک یادداشت ملی جو وفات سے پانچ ماہ پیشتر ایک سفینہ میں لکھی تھی ۔ اس کا عنوان "یادداشت اخیر" تھا ۔ اس یادداشت کو پڑھ کر میری مسرت کی انتہا نہ رہی، جب میں نے یہ دیکھا کہ جن ابواب میں ضروری سمجھتا تھا، مصنف مرحوم نے بھی اپنی آخری یادداشت میں ان کا اضافہ ضروری قرار دیا تھا اور گویا وہ ایک وصیت نامہ تھا ' جس کو فرشتہ غیب نے ان کے دست و قلم سے میری تسلی کے لئے پہلے ہی لکھوا دیا تھا .... اخلاق کے باب کو مصنف مرحوم نے تکمیل کو نہیں پہنچایا تھا ۔ بہت سے عنوانات سادہ تھے ' بہت سے عنوانات کو شروع کر کے آئندہ اضافہ کے لئے ناتمام بصورت بیاض چھوڑ دیا تھا ۔ جامع نے ان کو لکھ کر بطور تکملہ کتاب میں شامل کر دیا ۔ بہت سے ضروری حواشی بھی جا بجا بڑھائے گئے ہیں ' چنانچہ جیسا کہ جلد اول کے دیباچہ میں ذکر کیا گیا ہے ' اضافہ اور تکملہ اور حواشی کی تمام عبارتیں ہلالین کے اندر کر دی گئی ہیں تاکہ مصنف اور جامع کی عبارتیں باہم مختلف نہ ہونے پائیں"۔ (۴۱)

تیسری جلد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منصب نبوت ' حقیقت نبوت ' اور دلائل نبوت پر مشتمل ہے ۔ جہاں تک خالص سیرت نبوی کا تعلق ہے وہ ابتدائی دو جلدوں میں مکمل ہو جاتی ہے ۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولف کا مقصد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوانح کے ساتھ آپ کے لائے ہوئے دین کا پورا خاکہ قارئین کے سامنے پیش کرنا تھا اس لئے ان کے شاگرد رشید سید سلیمان ندوی نے باقی جلدوں میں اسلامی تعلیمات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ۔

چوتھی جلد میں اسلام کے بنیادی عقائد ' نبوت و رسالت ' ملائکہ' جنت و جہنم ' جزا اور سزا ' اور روز آخرت پر بحث کی ۔ اس جلد کے بارے میں سید سلیمان ندوی نے یہ لکھا کہ : علامہ شبلی نے اس جلد کا مواد اپنی زندگی میں جمع کرنا شروع کیا تھا ' لیکن ابھی صرف پچیس تیس صفحات لکھنے پائے تھے کہ زندگی کے لمحات ختم ہو گئے ' اور یہ کام ادھورا رہ گیا ۔

پانچویں جلد " عبادات " کے موضوع پر ہے ۔ اس میں سب سے پہلے اعمال صالحہ کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور پھر اس کی تین اقسام (عبادات ' اخلاق اور معاملات) میں سے اہم ترین نیک عمل ' عبادت ' کی تشریح کی گئی ہے ۔ مصنف نے اسلامی عبادات کا موازنہ دوسری اقوام و ملل اور مذاہب کی عبادات سے کر کے اس کی خصوصیات گنوائی ہیں ۔ پھر جسمانی عبادات میں سے نماز ' روزہ ' زکوۃ ' حج اور جہاد کی فضیلتوں ' حکمتوں اور مصلحتوں کا بیان ہے ۔

" سیرت النبی " کی چھٹی جلد کا موضوع " اخلاق " ہے یعنی یہ ان اخلاقی تعلیمات کی تفصیل و تشریح ہے جو آنحضرت کے ذریعے مسلمانوں کو سکھائی گئیں ۔ سید سلیمان ندوی کہتے ہیں کہ یہ عجیب بات ہے کہ مذہب کے ضروری اور مفید ہونے کے ثبوت میں اخلاقی تعلیم کو نظری حیثیت سے جتنی اہمیت حاصل ہے ' عملی حیثیت سے عام لوگ اسے اتنا درجہ نہیں دیتے ۔ چنانچہ اخلاق کی صحیح اہمیت واضح کرنے کے لئے اس کے ہر پہلو پر مفصل بحث کی ہے ۔ مصنف کے خیال میں ملت کی تعمیر کا بنیادی پتھر اخلاق کی صحیح تربیت ہے ۔ حقیقت میں سارا نظام کائنات اور سارا شرف انسانی اخلاق کے گرد گھومتا ہے' اسی لئے دنیا کے تمام مذاہب نے اخلاق کو نمایاں اہمیت دی ہے۔ اخلاق کا تعلق حقوق العباد سے ہونے کی وجہ سے اس کا درجہ حقوق اللہ سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ اسلام اخلاق حسنہ کا سب سے بڑا علم بردار ہے اور وہ اللہ کے حقوق پر انسانوں کے باہمی تعلقات و معاملات کو ترجیح دیتا ہے تاکہ وہ مل جل کر رہیں اور ایک دوسرے کے دکھ درد کے ساتھ بنیں ۔

اسلام کے ارکان پنجگانہ کا بھی اخلاق سے گہرا تعلق ہے اور ان کا حقیقی مقصد بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچانا ہے ۔ اس لحاظ سے " سیرت النبی " کی یہ جلد بے حد اہمیت کی حامل ہے کہ اس میں فلسفہ اخلاق پر بڑی تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

سیرت النبی کی ساتویں جلد معاملات سے متعلق ہے ' مولف (سید سلیمان ندوی) کے بقول معاملات سے وہ تمام شرعی احکام مراد ہیں ' جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے ' اور جن کی حیثیت قانونی ہے ' اور ان کا منشاء جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت ہے ۔ خواہ ان کا تعلق افراد کی مصلحت سے ہو یا معاشرے کی ' یا قوم اور ملک کی ۔

پہلی چھ جلدوں کی بہ نسبت ساتویں جلد بہت مختصر ہے لیکن اصولی مسائل پر مشتمل ہونے کے باعث اس کی اہمیت باقی جلدوں سے کسی طرح کم نہیں ۔ سید صاحب نے معاملات کی تعریف ' اقسام اور تاریخ بہت عالمانہ انداز سے بیان کی ہے۔ "میزان" کی جو تعریف کی ہے ' اس سے ان کی قرآن فہمی کا اندازہ ہوتا ہے ۔ وہ حکومت اور اقتدار کو دنیا میں اللہ کی سب سے بڑی نعمت قرار دیتے ہیں ' جس سے اس بات کی نشان دہی ہوتی ہے کہ وہ دین اور سیاست کو الگ الگ تصور نہیں کرتے ۔

علامہ شبلی کے نزدیک سیرۃ النبی لکھنے کی غرض غایت یہ ہے کہ :

" اس سے نفوس انسانی کے اخلاق و تربیت کی اصلاح و تکمیل کی جائے اور اس کا سب سے زیادہ عملی طریقہ یہ ہے کہ فضائل اخلاق کا ایک پیکر مجسم سامنے آجائے جو خود ہمہ تن آئینہ ' عمل ہو ' اس لحاظ سے آنحضرت کی ذات پاک یقیناً" تمام فضائل اخلاق کا مجموعہ ہے اور آپ کی ہستی کو جامعیت کبریٰ کا درجہ حاصل ہے جبکہ حضرت مسیح ' حضرت موسیٰ اور حضرت نوح ' فضائل اخلاق کی کسی ایک صنف کے نمونے تھے۔ اسی لئے آنحضرت کی سیرت تمام ضروریات دینی و دنیوی میں اور تمام تمدنی ' انفرادی اور اجتماعی مسائل میں ذریعہ تربیت بن سکتی ہے ۔ چنانچہ شبلی کہتے ہیں کہ "صرف ہم مسلمانوں کو نہیں ' بلکہ تمام عالم کو اس وجود مقدس کی سوانح عمری کی ضرورت ہے جس کا نام مبارک محمد رسول اللہ ہے ۔ یہ ضرورت صرف اسلامی یا مذہبی ضرورت نہیں؟ بلکہ تمدنی ضرورت ہے اور مختصر یہ کہ مجموعہ ضروریات دینی و دنیوی

ہے"۔(۴۲)

علامہ شبلی نعمانی کی سیرۃ النبی کو بہت سے اہل علم و فضل نے اپنے موضوع پر ایک مکمل اور جامع کتاب قرار دیا ہے ۔ ڈاکٹر سید عبداللہ ' جامعیت کو اس کا بنیادی وصف قرار دیتے ہیں ۔ اور کہتے ہیں کہ اردو میں اس موضوع پر لکھی جانے والی کوئی کتاب اس کی ہم سر نہیں ہے ۔ (۴۳)

ڈاکٹر سید عبداللہ نے سیرۃ النبی کی تعریف کے ساتھ اس کے بعض کمزور پہلوؤں کی بھی نشان دہی کی ہے ۔ وہ لکھتے ہیں :

"سب سے پہلے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ اپنے بار بار کے دعوے کے باوجود بہت سے مقامات پر شبلی کی رائے معذرت خواہانہ اور مدافعانہ ہے ۔ شبلی نے مورخین یورپ کے اعتراضات سے دب کر آنحضرت کے غزوات کے سلسلے میں ضرورت سے کچھ بہت زیادہ معذرت کا لہجہ اختیار کیا ہے ۔ اسی طرح غلامی اور تعدد ازدواج کے مسئلے کے تجزیئے میں بہت کچھ دبے دبے نظر آتے ہیں اور ہرچند کہ وہ پیغمبر کی سوانح عمری لکھ رہے ہیں ' بار بار مغربی نقادوں کی اس رائے سے مرعوب ہو کر چلتے ہیں کہ حضور کا ہر قول و فعل عام بشریت کے مطابق تھا ' حالانکہ حضور عام بشر نہ تھے ' خاص بشر تھے۔ کتاب کا وہ حصہ بھی قدرے تحقیق طلب ہے جس کا تعلق غزوات کے جغرافیے سے ہے۔ شبلی کے لئے یہ ممکن نہ ہوا کہ وہ ان مقامات کا خود مشاہد کرتے جہاں جنگیں ہوئیں۔ بعد کے مصنفین ڈاکٹر حمید اللہ ' بریگیڈیئر گلزار احمد اور قدرے ھیکل نے تلافی کی کوشش کی ہے اور غزوات و سرایا کے محل وقوع کے تعین کا اہتمام کیا ہے"۔(۴۴)

سیرۃ نبوی سے متعلق جن اہم واقعات ' اور پہلوؤں پر مغربی مصنفین نے اعتراض کئے تھے ' سرسید احمد خان نے ان کی جواب دہی کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ یا تو ان واقعات میں تاویل کی جیسے معراج کا واقعہ ۔ کہ مستشرقین نے اس کے جسمانی ہونے پر اعتراض کیا تو سرسید احمد خان نے اس میں تاویل کی ' اور کہا کہ یہ واقعہ خواب کا ہے ' شق صدر پر اعتراض کیا ' تو اس کا سرے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اس سے شرح صدر مراد ہے ۔

اسلامی جہاد کو دفاعی جنگ ثابت کرنے کی کوشش کی ۔ ان مسائل کے بارے میں علامہ نے بھی سرسید احمد کی راہ اختیار کی ' سیرۃ النبی کی ابتدائی دو جلدیں جو خالص حضور علیہ السلام کے سوانح سے متعلق ہیں ان میں علامہ نے شق صدر کا واقعہ سرے سے ذکر ہی نہیں کیا ۔ حالاں کہ یہ واقعہ اتنا اہم ہے کہ تمام قابل ذکر سیرت نگاروں نے حتیٰ کہ محدثین نے اس کا ذکر کیا ہے ۔ اختلاف صرف اس بات میں ہے کہ کتنی مرتبہ پیش آیا ۔

نبوت کے گیارہویں سال ' شعب ابی طالب میں آپ کے معاشی اور معاشرتی مقاطعہ کے بعد ' نیز حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد معراج کا عظیم واقعہ پیش آیا مگر علامہ نے اس عظیم واقعہ کا ذکر تک نہیں کیا' انہوں نے روحانی اور جسمانی بحث میں الجھنے کی زحمت نہیں کی۔ اور صاف دامن بچا کر مدینہ منورہ میں اشاعت اسلام کے ذکر کی طرف نکل گئے ۔

علامہ نے ان روایات کا بھی انکار کیا ہے جن میں ولادت باسعادت کی رات ایوان کسریٰ کے چودہ کنگروں کے گرنے ' اور آتش کدہ فارس کی آگ بجھنے کا ذکر ہے۔

غزوات کو دفاعی جنگ قرار دیا ' اور سرسید احمد خان کی طرح عیسائیوں کے اعتراضات کے مقابلے میں معذرت خواہانہ رویہ اختیار کیا۔ علامہ کی اس روش پر اردو کے دو قابل ذکر سیرت نگاروں نے سخت گرفت کی ہے۔ مولانا عبدالروف رانا پوری نے اپنی کتاب "اصح السیر" میں ' اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے "سیرۃ المصطفیٰ" میں ۔

مولانا دانا پوری نے اصح السیر کے مقدمہ میں لکھا :

"یورپ کے اس پروپیگنڈا کی وجہ سے آج مسلمانوں میں ایک جماعت پیدا ہو گئی ہے جو اعلاء کلمتہ اللہ کے لئے جہاد بالسیف کو بہت برا سمجھتی ہے ۔ رسول اللہ کے غزوات کو اسلامی تاریخ پر بدنما داغ سمجھتی ہے ۔ اور اپنے دانست میں وہ اسلامی خدمت اسی کو سمجھتی ہے کہ اسلامی تاریخ سے یہ تاویل پیدا کی جائے کہ یہ سارے غزوات مدافعت

اور حفاظت خود اختیاری کے لئے تھے۔ اعلاء کلمتہ اللہ کے لئے نہ تھے۔ یہ جواب اس مذہب کی طرف سے دیا جاتا تو شاید کسی حد تک صحیح بن سکتا جس میں رہبانیت کی تعلیم دی گئی ہو مگر وہ مذہب ہاتھ میں تلوار لینے سے کیونکر انکار کر سکتا ہے جس میں قتل و قصاص اور حدود و قضا بھی جزو مذہب ہو اور جس مذہب میں صاحب حق کو حق دلانا۔ ظالم و مظلوم میں انصاف کرنا فرض کیا گیا ہو۔ یہ چیزیں بغیر حاکمانہ اختیار کے پوری نہیں ہو سکتیں اور حاکمانہ اختیار صرف مواعظ حسنہ سے حاصل نہیں ہوتے۔ ممکن ہے کہ اور انبیاء شیطانی حکومتوں پر صابر و شاکر رہے ہوں مگر اسلام کے ساتھ ساتھ خدا کا یہ اعلان بھی آیا " و کتبنا فی الزبور ان الارض یرثھا عبادی الصلحون" یعنی ہم نے زبور میں لکھ دیا ہے کہ زمین کی بادشاہت انبیاء اور انبیا کے متبعین کے لئے ہے۔

اسلام کے یہ جدید وکلاء فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے اعلاء کلمتہ اللہ کے لئے جہاد نہیں کیا۔ توحید کے قیام کے لئے جہاد نہیں کیا۔ بت پرستی کو مٹانے کے لئے جہاد نہیں کیا۔ دنیا میں نیکی پھیلانے کے لئے جہاد نہیں کیا۔ جتنے غزوات رسول اللہ نے کئے اور جتنی لڑائیاں صحابہ لڑے وہ صرف اپنی حفاظت اور اپنے بچاؤ کے لئے انہوں نے مدافعت کی تھی۔ ان للہ و انا الیہ راجعون "۔

" عقل کو معیار بنانے کا اگر یہ مطلب ہے کہ جو بات عقل و سمجھ سے باہر ہو اس کا انکار کر دیا جائے تو بڑی مشکل ہے۔ معاد کی باتیں اکثر ایسی ہیں جن کا ادراک عقل نہیں کر سکتی۔ حشر۔ نشر۔ عذاب قبر۔ اعمال کا حساب و کتاب ' جزا۔ سزا۔ جنت۔ دوزخ ایسی چیزیں ہیں جن کا ادراک صرف عقل سے نہیں ہو سکتا۔ اعتقادیات کی اکثر باتیں ہیں جن میں عقل کو دخل نہیں ہے۔ یہ سب باتیں انبیاء کرام کی تعلیم سے معلوم ہوئی ہیں۔ کیا ان چیزوں کا اس لئے انکار کیا جا سکتا ہے کہ یہ ہماری عقل میں نہیں آتیں"۔ (۴۵)

علامہ شبلی نے سیرۃ النبی جلد اول کے مقدمے میں احادیث کو پرکھنے کے جو اصول بیان کئے ہیں ' ان میں ایک اصل اور معیار درایت کو بھی قرار دیا ہے' اور لکھا ہے کہ: "جس طرح ہر وہ

روایت رد کر دی جائے گی جو قرآن حکیم کے خلاف ہو اسی طرح وہ روایت بھی رد کر دی جائے گی جو عقل کے خلاف ہو، خواہ اس کی سند کیسی ہی کیوں نہ ہو"۔

علامہ کی اس رائے پر مولانا داناپوری نے ان الفاظ میں تنقید کی ہے:

"مولانا سیرۃ میں بھی اور اپنی دوسری تصانیفات میں بھی بسط و تفصیل سے لکھتے ہیں کہ محدثین کے نزدیک حادیث کو پرکھنے کا ایک اصول درایت بھی ہے جس طرح قرآن کریم کے خلاف کوئی روایت ہو تو رد کر دی جائے گی۔ اور یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ اس کی سند کیسی ہے۔ اس طرح جو روایت عقل کے خلاف ہو وہ بھی رد کر دی جائے گی سند دیکھنے کی ضرورت نہیں۔

یہ مولانا کی تحریر کا خلاصہ ہے۔ مولانا سے تسامح یہ ہوا کہ وہ درایت اور عقل کو ایک چیز سمجھتے ہیں۔ دوئم درایت کو اسناد پر ترجیح دیتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں غلط ہیں اور کسی محدث کا یہ مسلک نہیں ہے بلکہ صریح البطلان ہے۔ درایت کے معنی عقل نہیں ہے علم اور تجربہ کے بعد جو ملکہ حاصل ہوتا ہے اس کو درایتہ کہتے ہیں محدثین کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کو رسول اللہ کی سیرۃ سے پوری واقفیت ہو اور اس بارے میں جتنی روایات صحیحہ ہیں وہ اس کے پیش نظر ہوں رسول اللہ کے وقت کے واقعات اور حالات پر عبور رکھتا ہو ایسے شخص کو ایک طرح کی معرفت اور بصیرت حاصل ہو جائے گی۔ اس کو درایتہ کہتے ہیں۔ ایسے شخص کے سامنے جب کوئی روایت آئے گی اور اس کی سند نہ معلوم ہو تو وہ اپنی اسی بصیرۃ کی بنا پر کہہ سکے گا کہ یہ حدیث رسول اللہ کی ہو سکتی ہے یا نہیں"۔ (۴۶)

مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے بھی سیرۃ المصطفیٰ میں علامہ شبلی کے بعض تسامحات کی نشان دہی کی ہے۔ علامہ نے محمد بن عمرو اقدی (م: ۲۰۷ھ) پر سخت تنقید کی ہے، اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ:

" واقدی کی لغو بیانی مسلمہ عام ہے، ان کی شہرت، بدنامی کی شہرت کی ہے، کتب سیرت کی اکثر بے ہودہ روایتوں کا سرچشمہ انہی کی تصانیف ہیں، اگر واقدی سچا ہے تو دنیا میں اس کا کوئی ثانی نہیں، اور اگر جھوٹا ہے، تب بھی دنیا میں کوئی اس کا جواب

نہیں "۔ (۴۷)

واقدی پر علامہ کے اس تبصرے پر مولانا کاندھلوی لکھتے ہیں :

" دنیا میں سیرت ' مغازی ' اور رجال کی کوئی کتاب ایسی نہیں جو واقدی کی روایات سے خالی ہو۔ فتح الباری ' زرقانی شرح مواہب لدنیہ واقدی کی روایات سے بھری پڑی ہیں ' اور خود علامہ شبلی نے بھی بکثرت واقدی سے استفادہ کیا ہے۔ سیرۃ النبی کے متعدد مواضع میں طبقات ابن سعد کی وہ روایتیں لی ہیں جن کا پہلا راوی ہی واقدی ہے۔ علامہ شبلی نے طبقات کا صفحے اور جلد کا حوالہ بھی دیا ہے۔ مگر ان مواضع میں یہ نہیں بتلایا کہ اس روایت کا پہلا ہی راوی واقدی ہے ' جس کو علامہ مشہور دروغ گو ' افسانہ ساز اور ناقابل ذکر سمجھتے ہیں ' اور جابجا ناقابل ذکر الفاظ سے اس کا نام لیتے ہیں۔ مگر جب علامہ اس مشہور دروغ گو سے روایت لیتے ہیں تو اس کے نام کی وضاحت نہیں کرتے۔ البتہ اس دروغ گو کے شاگرد رشید یعنی ابن سعد کے نام سے روایت لیتے ہیں ' جو اسی دروغ گو اور افسانہ ساز سے ہوتی ہے" (۴۸)

مولانا نے بات کو صرف گرفت اور اعتراض کی حد تک نہیں رہنے دیا بلکہ علامہ شبلی نعمانی نے جہاں جہاں ایسا کیا ہے اور قارئین سے اس بات کو مخفی رکھنے کی کوشش کی ہے کہ وہ واقدی کو ناقابل اعتبار ٹھہرانے کے باوجود اس کی روایت کو اپنی کتاب میں جگہ دے رہے ہیں ' مولانا کاندھلوی نے ایسے متعدد مقامات کی نشان دہی کی ہے کہ علمی دیانت کا یہی تقاضا تھا۔

مولانا لکھتے ہیں :

۱۔ " بطور نمونہ واقدی کے چند روایات ہدیہ ناظرین ہیں ۔ جن کو علامہ شبلی نے سیرۃ النبی میں لیا ہے (ا) قصی نے مرتے وقت حرم محترم کے تمام مناصب سب سے بڑے بیٹے عبدالدار کو دیئے۔ طبقات ابن سعد ص ۴۱ ج ا سیرۃ النبی ص ۱۵۴ ج ا ۔ علامہ نے یہ واقعہ بحوالہ طبقات ابن سعد نقل کیا ہے جو صرف واقدی سے منقول ہے ۔

۲ ۔ عبداللہ کے ترکہ میں اونٹ بکریاں اور ایک لونڈی تھی جس کا نام ام ایمن تھا ۔ الخ طبقات ابن سعد ص ۶۲ ج ا سیرۃ النبی ص ۱۵۸ ج ا یہ واقعہ بھی طبقات میں صرف واقدی سے منقول ہے ۔ واقدی کے بعد کسی سند کا ذکر نہیں ہے ۔

۳ ۔ ابن سعد نے طبقات ص ۷۱ ج ۱ میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ میں تم سب سے فصیح تر ہوں کیونکہ میں قریش خاندان سے اور میری زبان بنی سعد کی زبان ہے ۔ سیرت النبی ص ۱۴۲ ج ۱ اس کا راوی بھی محمد عمر واقدی ہے ۔

۴ ۔ حلف الفضول کا واقعہ سیرۃ النبی ص ۱۷۰ ج ۱ پر بحوالہ طبقات ابن سعد ص ۸۲ ج ۱ مذکور ہے یہ واقعہ بھی طبقات میں واقدی کی روایت سے ہے ۔

۵ ۔ علامہ شبلی سیرۃ النبی ص ۴۴۰ ج ۱ پر غزوہ خیبر کے بیان میں لکھتے ہیں کہ حضور نے یہ اعلان عام فرمایا لایخرج معنا الا راغب فی الجہاد ہمارے ساتھ وہ لوگ آئیں جو طالب جہاد ہوں (ابن سعد) یہ روایت بھی ابن سعد کے حوالے سے نقل کی ہے جو واقدی سے مروی ہے۔ کیا یہ بات امانت کے خلاف نہیں کہ جب کسی روایت کو رد کرنا چاہیں تو واقدی کا نام ذکر کر دیں ۔ اگرچہ اس روایت کا راوی واقدی کے علاوہ کوئی اور ثقہ بھی ہو اور جب واقدی کی روایت لینا چاہیں تو واقدی کا نام حذف کر دیں اور اس کے شاگرد کے نام پر اکتفاء کریں ، اور خاموشی کے ساتھ اس پر گزر جائیں"۔ (۴۹)

سیرۃ النبی کی سات جلدیں دو صاحبان علم و دانش کی علمی کاوش کا نتیجہ ہیں ۔ ابتدائی دو جلدیں علامہ شبلی نعمانی کی ، اور باقی پانچ جلدیں سید سلیمان ندوی کی ۔ یہ بات بڑی فطری اور منطقی ہے کہ اگر ایک کتاب کو دو آدمی مل کر پورا کریں ۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ ایک شخص کے ادھورے (علمی) کام کو دوسرا شخص پورا کرے تو اس میں وہ یکسانیت نہیں رہتی جو ایک ہی شخص کے کام میں ہوتی ہے ۔ تصنیف و تالیف کے حوالہ سے یہ فرق زبان کا بھی ہو سکتا ہے اور اسلوب کا بھی ۔ ترتیب و تہذیب کا بھی ہو سکتا ہے اور مراجع و مصادر کا بھی ۔ حتی کہ نقطہ نظر کا بھی ہو سکتا ہے اور میں یہ عرض کرنے کی اجازت چاہوں گا کہ علامہ شبلی اور سید سلیمان ندوی کی تحریروں میں کم و بیش یہ سارے فرق موجود ہیں لیکن ان کی نوعیت عیب کی نہیں ہے ۔ دو چیزوں کے درمیان آپس میں فرق ہونا الگ بات ہے ، اور ان دو میں سے کسی ایک کا اچھا ہونا اور دوسری کا برا ہونا ، یا ایک کا زیادہ اچھا ، اور دوسری کا کم اچھا ہونا ۔ یہ الگ بات ہے ان دونوں باتوں میں بہت دقیق معنوی فرق ہے ۔ لیکن بے حد اہم ۔

ان دونوں حضرات کے کاموں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ علامہ شبلی نے سیرت کا جو حصہ لکھا وہ حضور علیہ السلام کی شخصیت اور ذات گرامی سے متعلق تھا ۔ اس میں انشاء ' عبارتی حسن ' اور خطابت کی گنجائش تھی ' اور شبلی نے اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ان سے پورا فائدہ اٹھایا ۔ ان کی بہت سی عبارتیں فصاحت و بلاغت کے عروج پر ہیں ۔ ان کی تحریر پڑھتے وقت بعض مقامات پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کے علم اور ذہانت و فطانت پر عشق رسول نے غلبہ پا لیا ہے۔ پڑھنے والے کو جملے اور فقرے موتیوں کی لڑیاں نظر آنے لگتی ہیں ۔ سیرت رسول لکھتے وقت جب وہ ایسی کیفیتوں سے گزرے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ لفظوں سے تصویریں بناتے' اور خوب صورت ترکیبوں اور مثالوں سے حسین و جمیل مجسمے تراشتے ہیں۔

سید سلیمان ندوی نے جو حصہ تحریر کیا وہ براہ راست سیرت سے متعلق نہ تھا ' اس کا تعلق ان تعلیمات سے تھا جو صاحب سیرت لے کر آئے تھے ۔ انہوں نے اس دین کی ' اور اس کے بنیادی احکام کی توضیح و تشریح کی ' اور اسے نہ صرف یہ کہ سہل اور آسان اسلوب میں پیش کیا بلکہ ایسے دل کش قالب میں ڈھالا کہ پڑھنے والے کے لئے اکتاہٹ کا احساس تو کجا' وہ ایک بار پڑھنے کے بعد اسے دوبارہ پڑھنے کے لئے بے چین اور مضطرب رہتا ہے ۔ میری نظر میں کسی تحریر کا اس سے بڑھ کر حسن اور کمال کوئی نہیں کہ قاری اسے ایک سے زائد مرتبہ پڑھنے کی خواہش کرے۔

سید صاحب اور شبلی کی تحریروں میں ڈاکٹر انور محمود خالد نے بڑا اچھا تجزیہ کیا ہے۔ کہتے ہیں:

> " شبلی کے مقابلے میں سید سلیمان ندوی کا اسلوب اتنا ہی مختلف ہے جتنی ان کی شخصیت ۔ شبلی خود بھی رنگین مزاج ' تیز طبع ' گرم جوش ' اور نفاست پسند تھے ' اور ان کی تحریر بھی رنگین ' چست تحرک آمیز اور حرارت خیز تھی ' اس کے برعکس سید سلیمان ندوی خود بھی سنجیدہ بردبار ' منکسرالمزاج انسان تھے ' اور یہی صفات ان کے اسلوب کا خاصہ ہیں " (۵۰)

ناچیز راقم کو سید صاحب کی آخری زندگی میں (۱۹۵۱ء ۔ ۱۹۵۳ء) ان سے ملنے ' اور ان کی مجالس میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا ہے ۔ وہ سنجیدہ اور بردبار بھی تھے منکسرالمزاج بھی اور اس کے ساتھ خوب صورت ' خوب سیرت اور نفاست پسند بھی۔ علم و فضل کے ساتھ اللہ نے ان کو یہ ساری صفتیں عطا کی تھیں۔ ان کی تحریر میں بلاشبہ وہی سنجیدگی ' وہی متانت ' وہی دھیما پن ہے جو

ان کی شخصیت کا حصہ تھا۔ لیکن ان کی تحریر میں شبلی کی سی انشاء اور زور خطابت نہ ہونے کے باوجود وہ حسن اور دلکشی ضرور ہے جو ان کی ذات میں نمایاں تھی۔

اس بات میں کوئی مبالغہ نہیں کہ سید سلیمان ندوی نے اسلام کے عقائد ' اور تعلیمات کو جتنی وضاحت اور خوب صورتی کے ساتھ بیان کیا ہے اردو زبان میں اب تک کوئی پیش نہ کر سکا۔

تحریر کی روانی اور دل کشی کے ساتھ انہوں نے تحقیق کے تقاضوں کو بھی کسی مرحلے پر نظر انداز نہیں کیا۔

سید صاحب کے مولفہ حصے کی (جو کہ شبلی کے مولفہ حصے سے کہیں زیادہ ہے) میری رائے میں سب سے اہم اور بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اسے اہل علم و فضل نے تنقید کا نشانہ نہیں بنایا جبکہ علامہ شبلی کو مولفہ ابتدائی دو جلدیں بہت سے اہل علم کی تنقید کا نشانہ بنیں۔

بہر کیف علامہ شبلی کے بعض علمی تسامحات کے باوجود ' ناقد ' اور قاری یہ کہنے کے لئے مجبور ہے کہ ان کا اسلوب عالمانہ ' محققانہ اور پختہ ہے ۔ ان کی تحریر میں بے ساختگی اور برجستگی کے ساتھ دل کشی بھی ہے ۔ انہوں نے تاریخ و سیرت جیسے سنجیدہ موضوع کو بھی ادب کی چاشنی سے ہم کنارے کر دیا ہے ۔ بلاشبہ اس کتاب نے اردو زبان کو ایک خوب صورت اور منفرد اسلوب عطا کیا ہے ۔ عبدالماجد دریا بادی کا کہنا ہے کہ : وہ علامہ شبلی کی تحریروں کو پڑھتے نہیں تھے بلکہ تلاوت کرتے تھے " (۵۱)

نشر الطیب :

مولانا اشرف علی تھانوی (م : ۱۹۴۳ء نے سیرۃ النبی کے موضوع پر " نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب " کے نام سے ۱۹۱۱ء ۔ ۱۹۱۲ء میں ایک کتاب لکھی ۔ کتاب مختصر ہے ' تاج کمپنی نے جو ایڈیشن شائع کیا ہے وہ ۳۳۱ صفحات پر مشتمل ہے ۔ کتاب بنیادی طور پر احادیث کی روشنی میں لکھی گئی ہے ۔ ذخیرہ حدیث کے علاوہ بہت کم تاریخ و سیر کی کتابوں کو ماخذ و مصدر بنایا ہے ۔ کتاب کے مقدمہ میں مولانا نے خود اس کی نشان دہی کی ہے ۔ فرماتے ہیں کہ : اس کتاب کو لکھتے وقت صحاح ستہ اور شمائل ترمذی کے علاوہ زاد المعاد (ابن قیم) مواہب لدنیہ (ابن قیم) سیرت ابن

ہشام ' اشامتہ النبویہ (نواب صدیق حسن خان) تواریخ حبیب اللہ (مفتی عنایت احمد کاکوروی) اور الروض النضیف جیسی کتابیں پیش نظر رکھی ہیں ۔ ان کے علاوہ ایک عربی رسالہ "شیم الحبیب" (مفتی الٰہی بخش کاندھلوی) سے اس حد تک استفادہ کیا ہے کہ نشر الطیب کو اس کا ترجمہ قرار دیا جا سکتا ہے " (۵۲)

سبب تالیف اس طرح بیان کیا ہے :

" یہ گرسنہ رحمت غفار ' و تشنہ شفاعت سید البرار صلی اللہ علیہ وعلی آلہ الاطہار و اصحابہ الکبار ۔ عاشقان نبی مختار و محبان حبیب پرور دگار کی خدمت میں عرض رسا ہے کہ ایک مدت سے بہت سے احباب کی فرمائش تھی کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کچھ حالات قبل نبوت و بعد نبوت کے صحیح روایات سے تحریر کئے جاویں کہ اگر کوئی متبع سنت بخلاف طریق اہل بدعت بغرض ازدیاد محبت آپ کے ذکر مبارک سے شوق اور رغبت کرے تو وہ اس مجموعہ کو رغبت سے پڑھ سکے ۔ پھر ان دنوں اتفاق سے پیہم چند دین دار دوستوں کے خطوط اسی استدعا میں آئے جن میں مجموعا" اس غرض کی اس طرح تقریر کی گئی کہ جو شرائط اس ذکر مبارک سے برکات حاصل کرنے کے اس احقر نے بعض رسائل میں لکھے ہیں کوئی شخص اسی طرح ان حالات کو پڑھے مثلا" جمعہ میں نمازی جمع ہو گئے انکو سنا دیا یا اپنے گھر کی مستورات کو بٹھلا لیا اور ان کو سنا دیا اسی طرح اور شرائط کی عایت و اہتمام رکھے تو ایسے موقع کے لئے ایسا رسالہ لکھ دیا جوے حاصل تقریر ختم ہوا ۔ ایسی تصریح کے بعد بامید اسکے کہ یہ مجموعہ آلہ ہو جاوے گا ازدیاد محبت برعایت طریق سنت کا لکھنا مصلحت معلوم ہونے لگا اور اس کا مصلحت ہونا اس سے اور زیادہ ہو گیا کہ منجملہ خطوط مذکورہ کے ایک میں یہ بھی استدعا کی گئی کہ موقع سے اس میں مناسب مواعظ و نصائح بھی بڑھا دیئے جاویں سو اس طور پر اور زیادہ نفع کی توقع ہوئی پھر ان دونوں مصلحتوں کے ساتھ ہی اس وجہ سے اور زیادہ آمدگی ہوئی کہ آج کل فتن ظاہری جیسے طاعون اور زلزلہ و گرانی و تشویشات مختلفہ کے حوادث سے عام لوگ اور فتن باطنی جیسے شیوع بدعات و الحاد و کثرت فسق و فجور سے خاص لوگ پریشان خاطر اور مشوش رہتے ہیں ایسے آفات کے اوقات میں علماء

امت ہمیشہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاوت و تالیف روایات اور نظم مدائح و معجزات اور تکثیر سلام و صلوۃ سے توسل کرتے رہے ہیں چنانچہ بخاری شریف کے ختم کا معمول اور حصن حصین کی تالیف اور قصیدہ کی تصنیف کی وجہ مشہور و معروف ہے میرے قلب پر بھی یہ بات وارد ہوئی کہ اس رسالہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و روایات بھی ہونگے جابجا اس میں درود شریف بھی لکھا ہو گا پڑھنے سننے والے بھی اس کی کثرت کریں گے کیا عجب ہے کہ حق تعالی ان تشویشات سے نجات دیں چنانچہ اسی وجہ سے احقر آج کل درود شریف کی کثرت کو اور وظائف سے ترجیح دیتا ہے اور اس کو اطمینان کے ساتھ مقاصد دارین کے لئے زیادہ نافع سمجھتا ہے اور اس کے متعلق ایک علم عظیم کہ اب تک مخفی تھا ذوقی طور پر ظاہر ہوا ہے والحمد للہ علی ذلک " (۵۳)

کتاب ایک مقدمہ ' اکتالیس فصلوں' اور خاتمہ پر مشتمل ہے۔ ابتداء روایتی انداز سے نور محمدی کے بیان سے ہوتی ہے۔ پہلی فصل کا عنوان ہی یہ ہے کہ : نور محمدی کے بیان میں " اس فصل میں سات ایسی حدیثیں بیان کی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول آخر ہی نہیں' رسول اول بھی ہیں۔

اس کے بعد فصل بہ فصل ولادت باسعادت ' نسب شریف ' بچپن ' شباب ' نبوت و رسالت ' معراج ' ہجرت ' غزوات اور بعض اہم دیگر اہم واقعات کا ذکر ہے ۔ عالم برزخ اور روز آخرت میں آپ کے احوال و فضائل اور مقام فضیلت کا بیان ہے۔ ڈاکٹر ابو الخیر کشفی کہتے ہیں کہ :

" حضور علیہ السلام کے خصائص ' محاسن و مکارم ' طرز معاشرت ' اور معمولات کے بارے میں مولانا مرحوم نے احادیث بعینہ نقل کی ہیں اور ساتھ ان کا ترجمہ بھی پیش کیا ہے ۔ اس طرح یہ کتاب ان کتابوں میں سے ہے جنھوں نے اردو کے قارئین کو اصل متن اور ماخذ سے قریب تر کر دیا ہے " (۵۴)

نشر الطیب کی دو فصلیں نسبتاً زیادہ طویل ہیں ۔ ایک وہ جس میں واقعہ معراج کیا بیان ہے ' اور دوسری فصل وہ جو شمائل اور اخلاق و عادات کے دل آویز تذکرے پر مشتمل ہے ۔ کتاب اگرچہ مختصر ہے مگر اس کے حجم کے اعتبار سے واقعہ معراج کو بہت تفصیل سے بیان کیا ہے ۔ ۵۹

صفحات پر محیط ہے ۔ اس نقطہ نظر سے اس کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے کہ اسے واقعاتی رنگ میں بیان نہیں کیا ' یا تو متعلقہ احادیث نقل کی ہیں ' یا قرآن حکیم اور احادیث سے اخذ کردہ فوائد اور نکات ذکر کئے ہیں ۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا نے واقعہ معراج کی اہمیت کے پیش نظر اس پر ٹھوس مواد پیش کرنے کی کوشش کی ہے ۔

شمائل نبوی پر مفتی الٰہی بخش کاندھلوی کا عربی میں ایک رسالہ ہے ' مولانا نے اس کو من و عن اردو ترجمہ کے ساتھ نقل کیا ہے ۔

کتاب کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ مختصر ہونے کے باوجود سیرت نبوی کے تمام اہم پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے ۔ مولانا کی تحریر میں پھیلاؤ نہیں ہے ۔ زبان سادہ و سلیس ہے ' اور آج بھی اس کے پڑھنے اور سمجھنے میں کسی خاص دشواری کا سامنا کرنا نہیں پڑتا ' کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ہر واقع اور بیان کے بعد اس سے کوئی اخلاقی نتیجہ نکالا گیا ہے ۔

عقل پرستی اور روشن خیالی کے اس دور میں ضرورت ہے کہ سیرت رسول کے حوالہ سے جو کتابیں لکھی جائیں وہ قرآن اور احادیث صحیحہ پر مبنی ہوں۔ تاکہ پڑھنے والے سیرت رسول کے اصل سرچشموں سے سیراب ہو سکیں ۔

نشر الطیب دور جدید میں ' قدیم طرز تحریر کی نمائندگی کا فرض انجام دیتی ہے ۔

اصح السیر:

اردو زبان میں سیرت رسول کے موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں مولانا عبدالرؤف قادری دانا پوری (م : ۱۹۴۸ء) کی کتاب " اصح السیر" کا نام بہت نمایاں ہے ۔ ۱۹۳۲ء میں اس کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا ۔ اس کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا اولین اور مرکزی ماخذ حدیث کو قرار دیا ہے ۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کی ترتیب عام کتب سیرت سے بالکل مختلف ہے ۔

کتاب کے مختصر سے تعارف کے بعد ' جو چار صفحات پر مشتمل ہے چوالیس صفحے کا طویل مقدمہ ہے ۔ مقدمہ محققانہ اور عالمانہ ہے ۔ مقدمہ کی ابتداء بعثت انبیاء کے مقاصد سے کی ہے ' قرآن حکیم اور سنت رسول کے اجمالی تعارف کے بعد سیرت ' اصحاب سیرت ' اور ضرورت سیرت پر بحث ہے ۔ سیرت کا تحریری مواد کیسے جمع ہوا ' اور اس کی ترتیب و تدوین کس طرح ہوئی ' اس

پر مختصر مگر جامع گفتگو کی ہے ۔ یہ گفتگو سیرت پڑھنے والے سے زیادہ سیرت لکھنے والے کے لئے مفید ہے ۔ اس سے پہلے علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النبی کے مقدمہ میں روایت اور درایت پر کلام کر چکے تھے ' مولانا نے بھی اس موضوع کو اپنے مقدمہ کا حصہ بنایا ' اور اس امر کی نشان دہی کی کہ درایت سے کیا مراد ہے ' اس مسئلے پر علامہ شبلی سے اختلاف کیا اور بتایا کہ محض عقل کو درایت نہیں کہتے ۔

ان کے علاوہ مقدمہ حسب ذیل اہم موضوعات پر مشتمل ہیں :

۱: قرآن حکیم — ۲: سنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۳: سیرت — ۴: سیرت کا تحریری مواد

۵: سیرت کی تدوین — ۶: زیر نظر (اصح السیر) سیرت کی تدوین

۷: درایت اور عقل — ۸: عقل کی گمراہی

۹: نصاریٰ کا اعتراض — ۱۰: عقل سلیم

۱۱: قدیم عرب — ۱۲: سلاطین سبا ۔ حمیر و تبع

۱۳: تبصرہ — ۱۴: عجم کی حکومت

۱۴: خلاصہ

مغرب کے اعتراضات سے مرعوب ہو کر جن سیرت نگاروں اور بطور خاص سرسید احمد خان اور علامہ شبلی نے غزوات اور بعض دوسرے واقعات کے بارے میں جو معذرت خواہانہ طرز عمل اختیار کیا تھا ' اس کا نہ صرف علمی انداز میں رد کیا بلکہ علمائے اہل سنت کا جو مسلمہ موقف چلا آرہا ہے ' اس کو دلائل کی مدد سے ثابت کیا ۔ مولانا نے ابتدائی کلمات میں اس بات کی وضاحت کی کہ : مولانا شبلی نے مغازی پر جو کچھ لکھا ہے ' خصوصاً" غزوہ بدر کے حالات میں ' تو انہوں نے عجیب و غریب جدت کی ہے ' تمام واقعات کو پلٹ کر رکھدیا ہے ' اور روایات صحیحہ کو ترک کر دیا ہے " (۵۵) مولانا دانا پوری نے سرسید احمد خان اور علامہ شبلی کے اس تسامح یا معذرت خواہی کی تلافی کی کوشش بایں طور کی کہ عام کتب سیرت کی ترتیب ' یا یوں کہئے کہ زمانی ترتیب سے ہٹ کر بالکل مختلف ترتیب کو اپنایا ' ولادت با سعادت کے ذکر کے بعد ہجرت کا بیان شروع کیا اور اس کے بعد غزوات کی ابتداء کی ' اور کتاب کے ابتدائی اور تعارفی کلمات میں اس کی طرف اشارہ کیا

کہ : میرا خیال ہے کہ اہل علم اس کتاب میں کتاب المغازی کو جامع ، مکمل ، اور بہترین ترتیب پر پائیں گے " (۵٦)

چنانچہ اصح السیر کے صفحات اس بات کے گواہ ہیں کہ مولف نے سب سے زیادہ تفصیل اور جامعیت کے ساتھ غزوات کو بیان کیا۔ غزوات کا بیان ۲٦۸ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ غزوہ بدر سے جو چھوٹے چھوٹے جنگی معرکے پیش آئے، اور جن کی نوعیت جنگی نقطہ نظر سے بہت اہم تھی، ان کا بھی ذکر کیا، اور اس پورے تاریخی پس منظر کی نقاب کشائی کی جس کے نتیجے میں غزوہ بدر کبریٰ پیش آیا۔ غزوات میں بطور خاص غزوہ بدر کو بہت تفصیل سے بیان کیا، اور تاریخی واقعات و روایات سے یہ ثابت کیا کہ علامہ شبلی نعمانی کے بقول یہ دفاعی جنگ نہ تھی بلکہ اس کی نوعیت اقدامی جنگ کی تھی۔

غزوات کے علاوہ سرایا پر بھی کھل کر بحث کی۔ صلح حدیبیہ کے نہ صرف واقعہ کو نقل کیا بلکہ یہ بھی بتایا کہ اسے فتح مبین کیوں کہا گیا۔ کفر و اسلام کے معرکوں میں اس کی کیا اہمیت تھی ؟

ہجرت مدینہ ، اس کے اسباب اور نتائج کو بیان کیا کہ وہ کس طرح مسلمانوں کی مادی قوت و شوکت کا ذریعہ بنی۔

مولانا دانا پوری کا ارادہ تھا کہ وہ اپنی کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کریں۔ پہلے حصے میں ان حالات کا ذکر کیا جائے جن کا تعلق اسلام کی تبلیغ و اشاعت ، اور قوت و شوکت سے ہے ، دوسرے حصے میں حضور علیہ السلام کی پیغمبرانہ زندگی ہو ، یعنی معجزات ، دلائل نبوت ، معراج ، شمائل ، اور فضائل و مناقب ، مصنف کے نزدیک پہلا حصہ حضور علیہ السلام کی مجاہدانہ زندگی پر مشتمل ہے۔ اور یہ وہ حصہ ہے جو آج اصح السیر کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے۔ اور دوسرا حصہ وہ ہے جو لکھا نہ جا سکا۔

اصح السیر میں بعض ایسے مباحث بھی ہیں جو عام طور پر سیرت کی کتابوں میں نہیں ہوتے۔ مثلاً" زکوۃ ، عشر ، فئے اور جزیے کے احکام۔ کتاب الاموال کے نام سے ایک مستقل باب رکھا جس میں غنائم، زکوۃ و عشر، فئے، جزیہ، ھدایا، اور اموال مھجورہ کے مسائل بیان کئے۔ یہ باب قارئین سے زیادہ علماء، اساتذہ، اور طلباء کے لئے افادیت کا حامل ہے۔

غزوات کے بعد وفود کا بیان بھی پوری وضاحت اور تفصیل کے ساتھ ہے ۔ بعض نزاعی مسائل پر محققانہ گفتگو کی ہے' اور ان کو ان کے پورے پس منظر اور سیاق و سباق کے ساتھ بیان کیا ہے ۔ جیسے خطبہ تحریم خمر۔ اسے عام طور پر اس کے پس منظر اور اصلی سبب سے الگ کر کے پیش کیا جاتا ہے= مولانا نے سیاق و سباق سے جوڑ کر حضور کے خطبے کا حوالہ دیا ہے۔

جن ضروری فقہی مسائل کا سیرت کے کسی خاص پہلو یا واقعہ سے تعلق تھا' ان سے اسی مقام پر بحث کی ہے ' مثلاً" فتح مکہ کے ذکر میں اراضی حرم کا حکم ' عمرۃ القضاء میں نکاح محرم کا مسئلہ ' غزوہ خیبر کے موقعہ پر متعہ کی بحث ' ازواج مطہرات کے حالات میں شرعی پردے کا حکم ' حجتہ الوداع کے آخر میں خلافت و امامت کی بحث ۔ تعارفی کلمات میں خود لکھتے ہیں : بعض معرکتہ الاراء فقہی مسائل پر ایسی جامع ' مکمل اور مبسوط بحث لکھ دی ہے کہ اہل انصاف کو انشاء اللہ اس مسئلے میں کسی اشتباہ کی ضرورت باقی نہیں رہے گی " (۵۷)

جہاں فقہی نقطہ نظر سے بات کرتے ہیں ' وہاں عموماً" امام طحاوی کی آراء نقل کرتے ہیں جس سے اس امر کا برملا اظہار ہو جاتا ہے کہ مولف فقہ حنفی کے پیرو کار ہیں ' اور دوسرے فقہی مسلک کے مقابلے میں اسے ترجیح دیتے ہیں ۔

قرآن حکیم نے ان صحابہ کی تعریف کی جو پہلے پہل ایمان لائے ' مکی زندگی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ رہے اور ہر مصیبت میں ان کے معین و مددگار بنے ' انہیں قرآن نے السابقول الاولون " سے تعبیر کیا ۔ عام طور پر سیرت کی کتابوں میں ان کا ذکر نہیں ہوتا اور اگر ہوتا بھی ہے تو اجمالی و اختصار کے ساتھ ' اور بر سبیل تذکرہ ہوتا ہے ۔ مولانا دانا پوری نے "السابقون الالون" کے تحت باون ناموں کا ذکر کیا ہے۔

سیرۃ المصطفیٰ:

مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی سیرۃ المصطفیٰ پر تبصرہ ایک الگ مضمون کی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے۔ جو کہ حافظ محمد یٰسین بٹ اسسٹنٹ پروفیسر یونیورسٹی انجینئرنگ کالج ٹیکسلا کا ہے۔ اس لئے ناچیز نے اپنے مضمون میں اسے شامل نہیں کیا۔

حواشی و حوالہ جات

(۱) D . S . Margaliauth , Mohammad and the Rise of Islam

(CONDON/NEW YORK.G.P. putname.s sons.3rd ed 1923 - P. iii

۲: القرآن ! ۳۳ / ۲۱

۳: ابن الندیم ۔ الفہرست ۔ (طبع : قاہرہ مصر ۱۳۴۸ھ) ص : ۳۲

۴: ایضاً" ۔ ص : ۲۴۴

۵: ابن حجر عقلانی ۔ تہذیب التہذیب ( ) ۴ / ۳۲۱ (ذکر محمد بن مسلم)

۶: مفتی عنایت احمد کاکوروی ۔ تواریخ حبیب الہ ۔ (طبع : کتب خانہ رحیمیہ ولدینہ ۱۹۵۰ء) ۔ ص : ۲ ، ۳

۷: ایضاً" ۔ ص : ۱۷۰ ، ۱۷۶

۸: ایضاً" ۔ ص ۱۴۰

۹: تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند ( ) ۱ / ۱۷۴

۱۰: تواریخ حبیب الہ ۔ ص : ۱ ، ۲ ، ۱۷۰ ، ۱۷۶ ۔

۱۱: ایضاً" ۔ ص : ۹۵

۱۲: ایضاً" ۔ ص : ۱۳۰

۱۳: الخطبات الاحمدیہ ۔ ص : ۱۲ ، ۱۳ (دیباچہ)

۱۴: مقالات سرسید ، مرتبہ : محمد اسماعیل پانی پتی (طبع : مجلس ترقی ادب لاہور) ۱۱ / ۲۷

۱۵: حیات جاوید ۔ ص : ۴۲۶

۱۶: ایضاً" ۔ ص : ۴۲۷ ۔ نیز دیکھئے : مکتوبات سرسید احمد مرتبہ ۔ محمد اسماعیل پانی پتی ۔ ص : ۴۳ ۔ مکتوب نمبر : ۲ ۔ تحریر کردہ ۴ جون ۱۸۶۹ء

۱۷: مکتوبات سرسید احمد ۔ ص : ۱۲ ۔ مکتوب نمبر : ۸ ۔ تحریر کردہ ۲۰ اگست ۱۸۶۹ء

۱۸: ایضاً" ۔ ص : ۶۷ ، ۶۸

۱۹: Asiatic Studies , Religious and social :

SIR Alfred c . hyall London, 1882, page 245 .

۲۰: الخطبات الاحمدیہ ۔ ص : ۲۰۱

۲۱: ایضاً" ص : ۲۰۲

۲۲: مکتوبات سرسید احمد (مرتبہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی) ص : ۴۳

۲۳: الخطبات الاحمدیہ ۔ ص : ۳۹۸ ، ۳۹۹

۲۴: ایضاً" ص : ۲۰۲

۲۵: انور محمود خالد ـ ڈاکٹر ـ اردو نثر میں سیرت رسول (طبع : اقبال اکیڈمی لاہور ۱۹۸۹ء) ـ
ص : ۴۲۶ ـ بحوالہ "البصیر" چنیوٹ ـ شبلی نمبر ـ شمارہ جون ـ دسمبر ۱۹۵۷ء ـ ص : ۸۸ ـ
۲۶: رحمتہ للعالمین ـ ج : ۱ ' مقدمہ
۲۷: اردو نثر میں سیرت رسول ـ ص : ۵۰۴ ـ
۲۸: رحمتہ للعالمین ـ ۲ / ۱۹ ' ۲۰
۲۹: ۱۹۱۳ء ' ۱۹۱۴ء میں انہیں مولوی محمد انشاء اللہ خان (۱۸۷۰ء ـ ۱۹۲۸ء) نے دو جلدوں میں "سیرت الرسول" کے نام سے "سیرۃ ابن ہشام" کا اردو ترجمہ ' خلاصہ کر کے شائع کیا ' تاہم یہ صرف خلاصہ نہیں ہے بلکہ مترجم نے جا بجا مفید حواشی و تشریحات سے واقعات میں اضافہ کیا ہے ـ

۳۰: رحمتہ للعالمینؐ : قاضی محمد سلیمان منصور پوری ' جلد سوم ' ص ۷ (مقدمہ رحمتہ للعالمینؐ اور اس کا مصنف مرحوم ـ از سید سلیمان ندوی) ـ
۳۱: رحمتہ للعالمین ـ ۳ / ۹ (مقدمہ) ـ
۳۲: ایضاً ـ ۳ / ۸ ' ۹ (مقدمہ)
۳۳: ایضاً ۱ / ۳۹
۳۴: شیخ محمد اکرام ـ یادگار شبلی (طبع : ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۱ء) ص : ۴۳۶
۳۵: حیات شبلی (سید سلیمان ندوی) ـ ص : ۷۰۳ ' ۷۰۴
۳۶: مقالات شبلی (طبع : اعظم گڈھ) ۸ / ۳۲
۳۷: مکاتیب شبلی ـ ۱ / ۳۴۳
۳۸: حیات شبلی ـ ص : ۷۱۵ ' ۷۱۹
۳۹: ایضاً ـ ص : ۷۲۳ ' ۷۲۴
۴۰: معارف اعظم گڈھ سید سلیمان ندوی نمبر ـ ص : ۱۸۰
نیز دیکھئے : اردو نثر میں سیرت رسول (ڈاکٹر انور محمود خالد) ص : ۵۴۲
۴۱: سیرۃ النبی ـ ۲ / ۴ (دیباچہ)
۴۲: ایضاً ۱ / ۶ (مقدمہ)
۴۳: اردو نثر میں سیرت رسول ـ ص : ۵۸۸ ' نیز دیکھئے : فکر و نظر ـ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد ـ شمارہ اپریل ۱۹۷۶ء
۴۴: ایضاً ـ ص : ۵۹۴ ـ ' فکر و نظر ـ شمارہ اپریل ۱۹۷۲ء ص : ۸۳۱
۴۵: مولانا عبدالرؤف دانا پوری ـ اصح السیر (طبع : مجلس نشریات اسلامی کراچی ۱۹۸۴ء) ـ ص : ۲۹
۴۶: ایضاً ـ ص : ۲۰
۴۷: علامہ شبلی نعمانی ـ سیرۃ النبی ـ ۱ / ۲۳ ' ۳۳